# تحفۃ المعانی

لحل سوالات

# مختصر المعانی

مولوی محمد طلحہ

NEW MADARSA
Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

زمزم بکڈپو دیوبند

جو کتاب نیٹ پر موجود نہیں ہیں
یا کوئی کتاب آپکو چاہئے جو نیٹ پر
موجود نہ ہو تو آپ ہمیں میسیج کریں

NEW MADARSA

ٹیلیگرام چینل
@New Madarsa
https://t.me/NewMadarsa

یا ٹیلیگرام گروپ
@New Madarsa Group
https://t.me/NewMadarsaGroup

Pinterest

**Follow All Social Media Network:**

NEW MADARSA

Blogger

Telegram

Instagram

facebook

काम देख कर follow करें

NEW MADARSA

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علّمه البیان

# تحفة المعانی

## لحل سوالات مختصر المعانی

مرتب

محمد طلحہ متعلم دار العلوم دیوبند

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

ناشر

زمزم بک ڈپو دیوبند

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

# تفصیلات

نام کتاب: تحفۃ المعانی

مرتب: محمد طلحہ متعلم دار العلوم دیوبند

کمپیوٹر کتابت: محمد نسیم خان قاسمی کبیرنگری الفلاح کمپیوٹر انسٹی ٹیوٹ دیوبند

8006065986

طباعت: ..................

صفحات: ۱۶۰

سن اشاعت: مئی ۲۰۱۲ء

ناشر:

زمزم بکڈپو دیوبند

# انتساب

❁ مادر علمی ازہر ہند دار العلوم دیوبند کے نام جس کے آغوش میں رہ کر کچھ پڑھنے لکھنے کا سلیقہ آیا۔

❁ سرزمین اڑیسہ کی مایہ ناز درسگاہ مدرسہ جامع العلوم بھوبنیشور کے نام جس کے سایہ میں علم کی شد بد حاصل ہوئی اللہ تعالی اس کو تاقیامت ترقی کی راہ پر گامزن رکھے۔

❁ والدین محترم کے نام جن کی دعائے سحرگاہی سے یہ کام آسان ہوا۔

# تقریظ

مفسر قرآن، ادیب زماں حضرت مولانا نسیم احمد صاحب مدظلہ

استاذ دارالعلوم دیوبند

نحمد الله العظيم ونصلي على رسوله الكريم !

عزیز گرامی مولوی محمد طلحہ صاحب متعلم دورۂ حدیث شریف دارالعلوم دیوبند نے مختصر المعانی کے امتحانات کے پرچوں سے منتخب کر کے نوے (۹۰) سوالات کے جوابات کو عمدہ طریقہ پر حل کیا ہے۔ اور اس کے آخر میں علم معانی کے الفاظ کی تعریفات بھی لکھی ہیں۔

اپنی مصروفیت کی وجہ سے میں پوری کتاب نہیں دیکھ سکا ہوں، اس کتاب کے کچھ مضامین کو میں نے دیکھا ہے اور ضرورت کے مطابق اس میں اصلاح بھی کر دی ہے، یہ کتاب مختصر المعانی کے امتحانی سوالات کو حل کرنے میں طلبۂ عزیز کے لئے بہت معاون ہے۔ امید ہے کہ اس سے عزیز طلبہ کو امتحان کے سوالات حل کرنے میں آسانی ہو جائے گی، انشاء اللہ۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ مولوی محمد طلحہ صاحب سلمہ کی اس محنت کو اللہ تعالی قبولیت سے نوازیں، آمین یارب العالمین۔

محمد نسیم بارہ بنکوی
استاذ دارالعلوم دیوبند
ضلع سہارنپور یوپی
۲۷ محرم ۱۴۳۳ھ

## رائے گرامی

### حضرت الاستاذ جناب مولانا خضر صاحب کشمیری مدظلہ العالی

### استاذ دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا نسیم احمد صاحب دامت برکاتہم استاذ تفسیر دارالعلوم دیوبند کی تائیدی تحریر اور توثیقی کلمات کے بعد اب کسی تحریر کی حاجت نہیں ہے، محترم مولانا طلحہ اڑیسوی کی یہ زمانہ طالب علمی میں اولین کاوش ہے اور میدان تالیف میں بسم اللہ ہے، کامیابی کی تمنا ہے، سرفروشی کی دعا ہے، خدا کرے مدام وسدا کامران ہوں، اور دین کی مقبول خدمت مقدر ہو۔ آمین

حضر محمد کشمیری عفی عنہ

خادم تدریس دارالعلوم دیوبند

## تأثرات

# حضرت الاستاذ مولانا ارشد ذکی صاحب مدظلہ

### استاذ جامعۃ الشیخ حسین احمد مدنی

ابھی کچھ سالوں سے دورۂ حدیث شریف کے سوالات کے جوابات کتابی شکلوں میں چھپنے لگے ہیں اسی طرح دوسری جماعتوں کے سوالات کے جوابات بھی منظر عام پر آرہے ہیں اسی سلسلہ کی ایک کڑی یہ بھی ہے جو عزیز محترم مولوی طلحہ سلمہ متعلم دورۂ حدیث شریف دار العلوم دیوبند کی کاوش ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

مختصر المعانی درس نظامی کی اہم کتاب سمجھی جاتی ہے اور مشکل بھی۔ دار العلوم کے مختلف امتحانات کے پرچوں کو جمع کر کے اس کا بہت اختصار کے ساتھ جوابات دینے کی کوشش کی گئی ہے اور آخر میں علم معانی کی اصطلاحی الفاظ کی تعریفات بھی کی گئی ہیں۔

کتاب کے مختلف مقامات کو دیکھا جوابات بہت مختصر ہے لیکن مفصل لکھنے والوں اور جواب لکھنے والوں کے لئے انشاء اللہ رہنما اور گائڈ ثابت ہوگی دعا ہے کہ اللہ تعالی عزیز محترم کی اس سعی جمیل کو قبول فرما کر آئندہ اور خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔

۲۵/۲/۱۴۳۳ھ

# صدائے دل

حمد وثنا اس ذات کے لئے جس نے اس کارخانہ عالم کو عدم سے وجود بخشا، اور درود و سلام اس کے آخری پیغمبر ﷺ پر جنہوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا۔

''مختصر المعانی'' فن بلاغت میں وہ اہم کتاب ہے جس کے بغیر درس نظامی نا تمام ہے ، اور چونکہ یہ فن تھوڑا سا قابل توجہ اور تفصیل طلب ہے، اس کے باوجود اس کے لئے وقت انتہائی کم ہے، اسی وجہ سے عام طور پر ہم لوگ اس کو کما حقہ سمجھ نہیں سکتے ، اور ہم لوگ شروح کے طویل ہونے کی وجہ سے اس کو دیکھنے سے گریز کرتے ہیں، اگر دیکھتے بھی ہیں تو سرسری نگاہ سے، حالانکہ جس چیز کو پورے کا پورا حاصل نہیں کیا جا سکتا اس کو پورے کا پورا چھوڑنا بھی نہیں چاہئے، جیسا کہ عربی کا مقولہ ہے:" مالا يدرك كله لا يترك كله " اس کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کی نوٹ تیار کی گئی ہے، لیکن اب عزیز ساتھیوں سے میری یہی درخواست ہے کہ وہ طویل بحثیں دیکھیں اور سمجھنے کی کوشش کریں، اس نوٹ کو صرف ایک معاون ہی سمجھیں، اس لئے کہ اس کے اندر بہت ہی اختصار کے ساتھ مطلب سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے، حالانکہ یہ فن تفصیل طلب ہے۔

اور اس نوٹ کو تیار کرنے میں مربی گرامی حضرت الاستاذ **''مولانا خضر صاحب کشمیری''** مدظلہ العالی نے حوصلہ افزائی فرمائی ہے اور میرے چند ساتھیوں نے میری مدد کی ہے، اللہ تعالی انکو جزائے خیر عطا فرمائے ، اور بڑی ناشکری ہوگی اگر اس شخصیت کا تذکرہ نہ کروں، جنہوں نے میری قدم قدم پہ معاونت کی ہے یا یوں کہا جائے تو کوئی مبالغہ نہیں ہوگا کہ یہ نوٹ انہیں کی مرہون منت ہے، وہ ہیں صدیق محترم مولوی ''فضیل صدیقی لکھیم پوری'' اللہ تعالی انکے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے ، اور انکو اسکا صلہ اپنے شایان شان عطا کرے۔

اور قارئین کرام سے میری مؤدبانہ گذارش ہے کہ اگر کوئی غلطی وکوتاہی پر مطلع ہوں تو براہ کرم اپنے ساتھی کو ضرور مطلع فرمائیں، اس لئے کہ بندہ بھی آپ ہی کی طرح ایک طالب علم ہے، اس سے غلطی اور چوک ہو ہی سکتی ہے، اس کا صلہ اللہ تعالی آپکو ضرور دیں گے

اخیر میں بارگاہ ایزدی میں بندہ دعا گو ہے کہ اس حقیرسی کاوش کو اللہ قبول فرمائے، اور بندہ کے علم میں برکت فرمائے اور نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین

محمد طلحہ بن یعقوب المظاہری اڑیسہ

متعلم دارالعلوم دیوبند

ا؍محرم الحرام ۱۴۳۳ھ

# صاحب تلخیص المفتاح المولود ٦٦٦ھ المتوفی ۷۳۹ھ

نام: محمد بن عبد الرحمٰن قزوینی، کنیت: ابو عبد اللہ ابو المعالی، لقب: جلال الدین اور آپ شافعی المسلک، قزوین کے باشندہ ٦٦٠ھ میں بقول حافظ ابن حجرؒ ٦٦٦ھ میں پیدا ہوئے، دمشق میں آکر تعلیم حاصل کی، فقہ، اصول، عربیت، معانی وبیان وغیرہ علامہ ایکیؒ اور دیگر اساتذہ سے اور علم حدیث علامہ عز فاروقیؒ سے پڑھا، بہت ذہین، فصیح، بلیغ، خطیب، ادیب خوش نویس، منصف مزاج اور صاحب اخلاق جمیلہ تھے، اپنے دور کے زبردست فقیہ اور قاضی القضاۃ تھے بیس برس سے کم عمر میں روم میں قاضی مقرر ہوئے، جامع مسجد دمشق میں خطیب بھی رہے، پھر سلطان ناصر نے دمشق سے بلا کر شام کا قاضی بنادیا، اس کے بعد مصر کا قاضی بنایا، پھر دوبارہ دمشق کے قاضی ہوئے، دمشق ہی میں آپ پر فالج گرا اور ۱۵/جمادی الاولی ۷۳۹ھ میں وفات پاگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

# صاحب مختصر المعانی المولود ۷۲۲ھ المتوفی ۷۹۲ھ

مختصر المعانی شیخ سعد الدین تفتازانی کی مشہور تصنیف ہے، جن کا اسم گرامی مسعود لقب سعد الدین اور والد کا نام عمر اور لقب قاضی فخر الدین ہے دادا کا نام عبداللہ اور لقب برہان الدین ہے، اب سلسلہ نسب یہ ہوا سعد الدین مسعود بن عمر بن عبداللہ تفتازانی یہی مشہور قول ہے آپ کی پیدائش ۷۲۲ھ ماہ صفر المظفر تفتازان میں ہوئی، جو ولایت خراسان کا ایک شہر ہے ان کے حالات میں وہ واقعہ بھی ہے جو حلقہ اہل علم میں مشہور ہے کہ یہ بہت کند ذہن تھے پھر ان کو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور انہوں نے اپنی کند ذہنی کی شکایت کی تو حضور نے ان کے منہ میں لعاب دہن ڈال دیا اور دعاء دی اسی دن سے ان کے علم کا شہرہ ہونے لگا عنفوان شباب ہی میں علماء کبار میں شمار ہونے لگے آپ صرف، نحو، معانی وبیان کے امام اور اصول مذہب اور منطق وغیرہ کے زبردست ماہر تھے، امیر تیمور لنگ، کے یہاں صدر الصدور کے عہدہ پر فائز تھے بقول طحطاویؒ مذہب حنفیہ کی ریاست آپ پر ختم ہوگئی، علامہ کفویؒ نے کہا کہ آپ جیسا عالم آنکھوں نے کسی اور کو نہیں دیکھا سید شریف جرجانیؒ جیسا صاحب علم آپ کی کتابوں سے استفادہ کرتا تھا آپ کے اساتذہ میں شیخ عضد الدین اور علامہ قطب الدین رازیؒ وغیرہ ہیں، علم سے فراغت کے فوراً ہی مسند تدریس پر فائز ہوئے اور سینکڑوں تشنگان علوم کو سیراب کیا شعر وسخن سے بھی آپ کو لگاؤ تھا، نیز آپ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اب بھی ان کی تین کتابیں درس نظامی کی جزء لاینفک ہے، مختصر المعانی ۷۵۶ھ میں مقام غجدوان میں لکھی، شرح عقائد نسفی شعبان ۷۶۸ھ میں لکھی اور تہذیب المنطق والکلام رجب ۷۸۹ھ میں لکھی۔

ایک مرتبہ آپ کا اور علامہ جرجانیؒ کا مناظرہ ہوا تیمور لنگ کے دربار میں اور فیصلہ کے لیے نعمان معتزلی کو حکم بنایا گیا جو علامہ تفتازانیؒ سے نالاں تھا اس نے علامہ جرجانی کے حق میں فیصلہ کر دیا اگرچہ حق پر علامہ تفتازانیؒ ہی تھے ان سب کے باوجود عوام وخواص میں یہ بات مشہور تھی کہ سب سے بڑے عالم آپ ہی ہیں، بہر حال اس صدمہ سے آپ بیمار ہوگئے کوئی علاج کارگر نہ ہوا۔

بالآخر ۲۲ محرم ۷۹۲ھ کو دوشنبہ کے دن سمرقند میں وفات پاگئے۔ طیب اللہ ثراہ۔

## سوال: ۱ ص: ۴

ثُمَّ لَمَّا وُفِّقْتُ بِعَوْنِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَ تَائِیْدِهٖ لِلْاِتْمَامِ وَ قَوَّضْتُ عَنْهُ خِیَامَهٗ بِالْاِخْتِتَامِ بَعْدَمَا كَشَفْتُ عَنْ وُجُوْهِ خَرَائِدِهِ اللِّثَامَ وَوَضَعْتُ كُنُوْزَ الْفَرَائِدِ عَلٰی طَرْفِ الثُّمَامِ فَجَاءَ بِحَمْدِ اللّٰهِ كَمَا يَرُوْقُ النَّوَاظِرَ يَجْلُوْا صَدَاَ الْاَذْهَانِ وَيُرْهِفُ الْبَصَائِرَ وَ يُضِيْءُ الْبَابَ اَرْبَابِ الْبَيَانِ.

(۱) اعراب لگا کر ترجمہ کیجئے (۲) مطلب بیان کیجئے (۳) خط کشیدہ الفاظ کی لغوی صرفی تحقیق کیجئے۔

**ترجمہ** : پھر جب مجھے نصرت خداوندی اور تائید الٰہی سے شرح کو مکمل کرنے کی توفیق حاصل ہوئی، اور میں نے الگ کر دیا مکمل کرنے کی وجہ سے شرح سے اس کے خیموں کو حسین چہروں سے پردہ اٹھا دینے کے بعد، اور میں نے اس کے یکتا موتیوں کے خزانوں ثمام نامی گھاس کے کنارہ پر رکھ دیا، پس الحمد للہ کتاب ایسی آئی جو نگاہوں کو بھلی معلوم ہوتی ہے اور ذہنوں کے زنگ کو دور کرتی ہے اور عقلوں کو تیز کرتی ہے اور ارباب بیان کے عقلوں کو روشنی بخشتی ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(۱) **مطلب**: شارحؒ فرماتے ہیں کہ جب اللہ کی توفیق سے مجھے اس شرح کی تکمیل کی سعادت حاصل ہوئی، تو میں نے اختتام کی وجہ سے اس شرح سے خیموں کو جدا کر دیا، یعنی مختصر المعانی تکمیل سے پہلے لوگوں سے پوشیدہ ہونے کی وجہ سے ایسی تھی جیسے کسی چیز کو خیمہ میں چھپا دیا گیا ہو، لیکن جب میں نے اس کی تکمیل کر کے لوگوں کے سامنے پیش کیا، اور لوگ اس سے نفع اٹھانے لگے، تو گویا اس کے خیموں کو توڑ دیا، شارحؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس میں انتہائی قیمتی مضامین لکھے ہیں، اسی وجہ سے اللہ تعالی کا کرم ہے جب اس کتاب کو لوگ دیکھتے اور پڑھتے ہیں تو انکو اچھی معلوم ہوتی ہے، زنگ آلود ذہنوں کو جلا بخشتی ہے اور عقلوں کو تیز کرتی ہے۔

(۳) **لغوی تحقیق** : وفقت۔ فعل ماضی مجہول صیغہ واحد متکلم۔ وفق ،تو فیقا باب تفعیل سے،توفیق دینا،اصطلاح میں توفیق کے معنی ہیں خیر کے لئے اسباب مہیا کرنا۔

قوضت۔ فعل ماضی واحد متکلم .قوض .تقویضا ۔باب تفعیل سے عمارت توڑنا۔

خیام۔ واحد خیمة۔ شامیانہ خیمہ۔

خرائد ۔(و)خریدة. خوبصورت عورت۔

لثام۔ پردہ،نقاب جو چہرہ پر ڈالی جاتی ہے۔ج:ألثمة

فرائد (و) فریدة . یکتا موتی۔

یروق۔ فعل ۔مضارع۔ واحد غائب۔ راق (نصر) روقا ۔پسند آنا بھلا معلوم ہونا۔

نو اظر ۔واحد نا ظر ة،آنکھ۔

یجلو ۔مضارع۔ واحد غائب۔

جلا (نصر) جلو ا، مٹانا، زائل کرنا۔

صدأ۔ میل کچیل۔

یرھف۔ فعل مضارع واحد غائب۔ ارھف (افعال) ارھافا۔ تیز کرنا۔

ألباب۔ واحد لب ،عقل۔

ارباب۔ واحد۔ رب ۔مالک،صاحب۔

## سوال:۲/ص:۵

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى مَا اَنْعَمَ وَعَلَّمَ مِنَ الْبَيَانِ مَالَمْ نَعْلَمْ ،وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ خَيْرِ مَنْ نَطَقَ بِالصَّوَابِ ،وَأَفْضَلِ مَنْ أُوتِيَ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ .

(۱) ترجمہ کرکے،حمد،شکر،اللہ تعالیٰ کی تعریف کریں،(۲) الحمد للہ کو جملہ اسمیہ لانے

کی وجہ بیان کریں ،(۳) ''من البیان،، کومقدم کرنے کی وجہ؟ (۴) علّم کو أنعم کے بعد دوبارہ کیوں لائے ،(۵) بیان کی تعریف کریں ،(۶) حکمت سے کیا مراد ہے اور فصل خطاب کی مراد کیا ہے؟۔

(۱) **ترجمہ** : تمام تعریفیں اللہ تعالی کے لئے ہیں اس چیز پر جو اس نے انعام کیا، اور سکھلایا بیان میں سے جس کو ہم نہیں جانتے ، اور درود وسلام نازل ہو ہمارے سردار محمد ﷺ پر جو ان لوگوں میں سب سے بہتر ہیں، جنہوں نے درست بات کہی ، اور ان لوگوں میں سب سے افضل ہیں جنکو حکمت اور فصل خطاب دیا گیا۔

**حمد** : حمد کہتے ہیں تعظیم کے ارادہ سے زبان سے کسی کی تعریف کرنا خواہ تعریف نعمت پر ہو یا غیر نعمت پر۔

**شکر** : شکر ایسے فعل کو کہتے ہیں جو منعم کی تعظیم کو بتلائے ، اس کے منعم ہونیکی وجہ سے خواہ اس کا تعلق زبان سے ہو یا اعضاء جوارح سے۔

**اللہ** : اس ذات واجب الوجود کا علم ہے جو تمام خوبیوں کا مستحق ہے۔

(۲) **الحمد للہ** کو جملہ اسمیہ اس لئے لائے ہیں تا کہ اس سے دوام وثبوت حاصل ہو سکے۔

(۳) **من البیان** : کو مقدم کرنے کی وجہ سجع کی رعایت کرنا ہے، اس لئے کہ پہلے أنعم آیا ہے اور بعد میں بھی نعلم آرہا ہے۔

(۴) اور **علم** کو **أنعم** کے بعد دوبارہ اس لئے لائے ہیں تا کہ براعت استہلال حاصل ہو جائے۔

**نوٹ** : براعت استہلال کہتے ہیں مقدمہ میں ایسے الفاظ کا لانا جن سے مضمون کتاب کی طرف اشارہ ہو۔

(۵) **بیان**: کہتے ہیں وہ کلام فصیح جس سے متکلم اپنی مافی الضمیر کو ظاہر کرتا ہے۔

(۶) **حکمت** : سے مراد دو چیزیں ہیں، یا تو شرائع اور احکام کا علم مراد ہے، یا ہر وہ کلام مراد ہے جو نفس الامر کے مطابق ہو۔

**فصل خطاب** : اگر فصل اسم مفعول یعنی مفصول کے معنی میں ہو تو اس سے مراد وہ واضح کلام ہوگا جس کو مخاطب بآسانی سمجھ سکے، اور کلام میں مخاطب کو التباس نہ ہو، اور اگر اسم فاعل فاصل کے معنی میں ہو تو اس سے مراد وہ کلام ہوگا جو حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والا ہو۔

## سوال: ۳ / ص: ۷

فَلَمَّا كَانَ عِلْمُ الْبَلَاغَةِ وَتَوَابِعِهَا مِنْ أَجَلِّ الْعُلُوْمِ قَدْرًا وَ أَدَقِّهَا سِرًّا اِذْ بِهٖ يُعْرَفُ دَقَائِقُ الْعَرَبِيَّةِ وَأَسْرَارُهَا، وَيُكْشَفُ عَنْ وُجُوْهِ الْاِعْجَازِ فِيْ نَظْمِ الْقُرْآنِ أَسْتَارُهَا أَيْ بِهٖ يُعْرَفُ أَنَّ الْقُرْآنَ مُعْجِزٌ لِكَوْنِهٖ فِيْ أَعْلٰى مَرَاتِبِ الْبَلَاغَةِ لِاشْتِمَالِهٖ عَلَى الدَّقَائِقِ وَالْأَسْرَارِ الْخَارِجَةِ عَنْ طَوْقِ الْبَشَرِ.

(۱) ترجمہ کریں (۲) اور بتلائیں کہ علم بلاغت سے کیا مراد ہے، اور لَمَّا سے مصنفؒ نے کیا تشریح کی ہے، اس عبارت کے ہر ہر جز کی وضاحت کیجئے۔

(۱) **ترجمہ** : چونکہ بلاغت اور اس کے توابع کا علم مرتبہ کے اعتبار سے اجل علوم میں سے ہے، اور نکتہ اور راز کے اعتبار سے باریک علموں میں سے ہے، اس لئے کہ اس علم کے ذریعہ عربی کی باریکیاں اور اسکے رموز جانے جاتے ہیں، اور نظم قرآن میں وجوہ اعجاز سے اس کے پردوں کو اٹھا دیا جاتا ہے یعنی اس سے جانا جاتا ہے کہ قرآن معجز ہے، اس لیے کہ بلاغت کے اعلیٰ درجہ میں ہے، اس لئے کہ قرآن ایسی باریکیوں اور نکتوں پر مشتمل ہے جو انسان کی طاقت سے خارج ہے۔

(۲) بلاغت سے مراد معانی و بیان ہیں اور توابع سے مراد بدیع ہے۔

لَمَّا کے بارے میں شارحؒ نے تین باتیں بیان کیں ہیں، (۱) لما ظرف زمان کے

لئے استعمال ہوتا ہے۔

(۲) إذُ کے معنی میں ہوتا ہے شرط کی طرح استعمال ہوتا ہے، (۳) لـمَّا فعل ماضی پر داخل ہوتا ہے، فعل ماضی لفظا ہو یا معناً۔

مصنفؒ یہاں سے دو باتیں بیان کرنا چاہتے ہیں:

(۱) بلاغت مرتبہ میں بعض علوم سے بڑھا ہوا ہے،

(۲) وہ نکتوں کے اعتبار سے باریک ہے، اس کا سمجھنا تھوڑا دشوار ہے، مصنفؒ نے پھر اس کی وجہ بیان کی ہے پہلے وجہ بیان کر رہے ہیں اس کے باریک ہونے کی کہ عربی زبان کی باریکیاں اور رموز کو اسی علم بلاغت کے ذریعہ جانا جاتا ہے، لہٰذا نکتوں کے اعتبار سے علم بلاغت باریک ہے۔

علم بلاغت بلند مرتبہ پر اس طرح ہے کہ بلاغت کے ذریعہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن معجز ہے اور قرآن بلاغت کے اتنے اعلی درجہ پر ہے کہ انسان اس کا مثل نہیں لا سکتا ہے، جب قرآن کا معجز ہونا معلوم ہو جائیگا تو اس سے آپ ﷺ کی تصدیق ہوگی، اور آپ ﷺ کی تصدیق کرنا دنیا اور آخرت کی فوز و فلاح کا سبب بنے گا۔

## سوال: ۴/ص: ۹

اَلَّفتُ مُختَصراً يَتَضَمَّنُ ما فيهِ منَ القَواعدِ على ما يَحتاجُ إليهِ مِنَ الأمثلَةِ وَهيَ الجُزئيّاتُ المَذكورَةُ لإيضاحِ القَواعدِ وَالشواهدِ وَهي الجُزئيّاتُ المذكورَةُ لإثباتِ القواعدِ فَهيَ أخصُّ منَ الأمثلةِ ولَمْ آلُ جُهداً فِيْ تَحقيقِه وتَهذيبِه.

**ترجمہ**: میں نے ایسی مختصر تصنیف کی جو شامل ہے ان چیزوں کو جو قسم ثالث میں ہے، یعنی قواعد اور ان مثالوں اور شواہد پر مشتمل ہے جنکی طرف ضرورت پڑتی ہے، امثلہ وہ جزئیات ہیں جو قاعدہ کی وضاحت کرنے کے لئے بیان کی جائیں، اور شواہد وہ جزئیات ہیں جو قاعدہ کو ثابت کرنے کے لئے بیان کئے جائیں لہٰذا شواہد، امثلہ سے خاص ہیں، اور

میں نے پوری کوشش کی مختصر کی تحقیق اور اس کو سنوارنے میں۔

**(۱) عبارت پر اعراب لگائیں (۲) مختصر کا مصداق لکھیں (۳) مطلب بیان کریں (۴) امثلہ ،شواھد کو مثال دے کر سمجھائیں۔(۵) شواھد کے امثلہ سے خاص ہونے کی وجہ بیان کریں۔**

(۲) مختصر کا مصداق متن، تلخیص المفتاح ہے۔

(۳) مطلب: الفت ترکیب میں لما کا جواب واقع ہے، جب بلاغت اور اس کے توابع کا علم بلند مرتبہ ہے، تو میں نے ایسی مختصر کتاب تصنیف کی جس میں قسم ثالث کے اندر موجود قواعد بھی مذکور ہوں، اور میں نے کتاب کے اندر وہ مثالیں بھی بیان کی ہے جن کی طالب علم کو کتاب سمجھنے کیلئے ضرورت پڑتی ہے، اور میں نے کتاب کو عمدہ سے عمدہ بنانے میں پوری کوشش صرف کردی۔

(۴) امثلہ ان جزئیات کو کہتے ہیں جو قاعدہ کی وضاحت کے لئے ذکر کی جاتی ہیں ،جیسے آپ نے کہا: "کل فاعل مرفوع" جیسے "ضرب زید" تو ضرب زید اس قاعدہ کی مثال کہلائے گی، اور شواھد وہ ہیں جو قاعدہ کو ثابت کرنے کے لئے ذکر کئے جاتے ہیں، جیسے "انّ" کا اسم منصوب ہوتا ہے اور آپ قرآن کریم سے استدلال کرتے ہوئے "انّ الله علیم حکیم" کہیں۔

(۵) شاہد خاص اس لئے ہے کہ شاہد میں استدلال یا تو قرآن کریم یا حدیث یا کسی شخص کی عبارت سے ہوگا، اس کے برخلاف مثال کے لئے یہ ضروری نہیں ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

## سوال:۵/ص:۱۰

**وَلَمْ أُبَالِغْ فِی اختصارِ لَفْظِهٖ تَقْرِيْبًامَفْعُوْلٌ لَهٗ لِمَا تَضَمَّنَهٗ مَعْنٰی لَمْ أُبَالِغْ أَیْ تَرَكْتُ الْمُبَالَغَةَ فِی الْإِخْتِصَارِ تَقْرِيْبًالِتَعَاطِيْهِ أَیْ تَنَاوُلَهٗ وَطَلَبًا لِتَسْهِيْلِ فَهْمِهٖ عَلٰی طَالِبِيْهِ وَأَضَفْتُ إِلٰی ذَالِکَ فَوَائِدَعَثَرْتُ عَلَيْهَاوَزَوَائِدَ لَمْ أَظْفُرْفِی كَلَامٍ أَحَدٍ بِالتَّصْرِيْحِ بِهَا وَلَا بِالْإِشَارَةِ إِلَيْهَا.**

**ترجمہ** : اور میں نے اس کے لفظ کے اختصار میں مبالغہ سے کام نہیں لیا حاصل کرنے کے قریب کرنے کے لئے، تقریباً مفعول لہ ہے، اس فعل کا جسکو لم اُبالغ کے معنی شامل ہیں، یعنی میں نے مبالغہ چھوڑ دیا اختصار کرنے میں اس کو حاصل کرنے کے قریب کرنے کے لئے اور اس کے سمجھنے کے آسان کرنے کو اس کے طالبوں پر طلب کرنے کے لئے اور میں نے ان قواعد وغیرہ پر ایسے فوائد کا اضافہ کیا، جن فوائد کو قوم کی بعض کتابوں میں میں نے جانا، اور ایسے زوائد کا اضافہ کیا کہ میں کامیاب نہیں ہوا کسی کے کلام میں نہ صراحۃ نہ اشارۃ۔

(۱) چاروں مذکر ضمیر کا مرجع متعین کریں (۲) مطلب بیان کریں (۳) شارحؒ کو تقریباً مفعول لہ کے عامل کے سلسلہ میں تاویل کی ضرورت کیوں پیش آئی۔

(۱) لفظہ ،لتعاطیہ ،طالبیہ، فھمہ ، چاروں ضمیر کا مرجع مختصر ہے،

(۲) مصنفؒ یہاں سے فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی اس کتاب کے اندر اختصار تو کیا ہے، لیکن اتنا اختصار نہیں کیا جس سے کتاب کا سمجھنا دشوار ہو جائے ، بلکہ میں نے تھوڑا اختصار کیا تا کہ اس کے مسائل طالب علموں کے لئے آسان ہو جائے اور اس کے ساتھ ساتھ میں نے اپنی کتاب کے اندر کچھ ایسی مفید باتیں بھی بیان کردی جس کو میں نے دوسرے لوگوں کی کتابوں میں پایا، اور ایسی باتیں بھی بیان کی جس کو میں نے صراحۃ اور اشارۃ کسی کتاب میں نہیں پایا۔

(۳) "تقریبا" کو لم ابالغ کا مفعول لہ بنانے میں شارحؒ نے تاویل اس لئے کی ہے کیونکہ مفعول لہ فعل مثبت کا ہوتا ہے، یہاں فعل منفی ہے' لہٰذا اسکو مثبت کے معنی میں لینے کے لئے تاویل کی ضرورت پیش آئی۔

## سوال: ۶/ص: ۱۲

الفَصَاحَۃُ یُوصَفُ بِھَا المُفرَدُ وَالکَلامُ قیل المُرَادُ بِالکَلامِ مَالَیسَ بِکَلِمَۃٍ لِیَعُمَّ المُرَکبَ الاِسنَادِیَ وَ غَیرَہُ فَاِنَّہُ قَدْ یَکُونُ بَیتٌ مِنَ القَصِیدَۃِ غَیرَ مُشتَمِلٍ عَلٰی إسنادٍ یَصِحُ السُکوتُ عَلَیہِ مع أنہُ یَتَّصِفُ بِالفَصَاحَۃِ وَ

**فِيهِ نَظَرٌ لِأَنَّهُ إِنَّمَا يَصِحُّ ذَالِكَ لَوْ أَطْلَقُوا عَلَى مِثْلِ هٰذَا الْمُرَكَّبِ أَنَّهُ كَلَامٌ فَصِيحٌ وَلَمْ يَنْقُلْ عَنْهُمْ ذَالِكَ.**

**ترجمہ** : فصاحت سے مفرد اور کلام متصف ہوتا ہے، کہا گیا ہے کہ کلام سے مراد وہ ہے جو کلمہ نہ ہو، تا کہ مرکب اسنادی وغیر اسنادی کو بھی شامل ہو جائے، کیونکہ کبھی قصیدہ کا بیت ایسی اسناد پر مشتمل نہیں ہوتا ہے جس پر سکوت صحیح ہو؛ لیکن اس کے باوجود وہ فصیح ہوتا ہے، اور اس کے اندر نظر ہے، اس لئے کہ وہ اس وقت صحیح ہوتا، اگر اہل عرب اس جیسے مرکب پر یہ اطلاق کرتے کہ یہ کلام فصیح ہے، جبکہ اہل عرب سے یہ منقول نہیں ہے۔

(۱) مفرد کا اطلاق کن کن معنی میں ہوتا ہے؟ شارحؒ نے کس معنی میں لیا ہے، (۲) علامہ تفتازانیؒ قیل سے کیا بتانا چاہتے ہیں نیز نظر کی پوری تشریح کریں (۳) اور یہ بتلائیں ایسے شعر کو جس میں اسناد تام نہ ہو مرکب فصیح کس اعتبار سے کہا جاتا ہے۔

(۱) مفرد کا اطلاق تین معنوں پر ہوتا ہے:

(۱) مرکب کے مقابلہ میں ہوتا ہے (۲) کلام کے مقابلہ میں (۳) تثنیہ، جمع کے مقابلہ میں، اور شارحؒ نے یہاں مفرد بول کر وہ معنی مراد لئے ہیں جو کلام کے مقابلہ میں ہوتا ہے۔

(۲) علامہ تفتازانیؒ قیل سے مصنفؒ پر وارد ہونے والے اعتراض کا علامہ خلخالیؒ و زوزنیؒ کی طرف سے دئے گئے جواب کو نقل کر رہے ہیں۔

اعتراض یہ ہوتا ہے کہ مصنفؒ نے کہا کہ فصاحت کے ساتھ مفرد، کلام و متکلم متصف ہوتا ہے مگر کچھ ایسی چیزیں ہیں نہ کلمہ ہے نہ کلام یعنی مرکب ناقص تو مصنفؒ کی اس تعریف سے مرکب ناقص خارج ہو جائے گا، حالانکہ وہ بھی فصیح ہوتے ہیں، جیسے قصیدہ کا وہ بیت جو اسناد تام پر مشتمل نہ ہو، وہ بھی فصیح ہوتا ہے، تو اس کا جواب نقل کیا کہ مراد یہاں کلام سے وہ ہے جو کلمہ نہ ہو خواہ مرکب ناقص ہو یا مرکب تام؛ لیکن شارحؒ کو جواب پسند نہیں ہے اس لئے شارحؒ اس پر رد کر رہے ہیں، فرماتے ہیں کہ آپ کا مرکب ناقص کو کلام کے اندر شامل کرنا

اس وقت درست ہوتا ہے، جب اہل عرب سے یہ بات منقول ہوتی کہ اہل عرب مرکب ناقص پر کلام فصیح کا اطلاق کرتے ہیں، حالانکہ اہل عرب سے مرکب ناقص پر کلام کا اطلاق کرنا منقول نہیں ہے،

(۳) وہ شعر جس میں اسناد تام نہ ہو اس کو مرکب فصیح مفرد میں داخل ہونے کے اعتبار سے کہا جاتا ہے کیونکہ مفرد یہاں کلام کے مقابلہ میں ہے۔

## سوال: ۷ / ص: ۱۴

فَالفَصَاحَةُ فِي المُفرَدِ قَدَّمَ الفَصَاحَةَ عَلَى البَلاغَةِ لِتَوَقُّفِ مَعرِفَةِ البَلاغَةِ عَلى معرِفَةِ الفَصاحَةِ لكونها مأخوذَةً في تعريفِها ثم قدّم فصاحة المفردِ على فصاحة الكلامِ والمتكلمِ لِتَوَقُّفِهِمَا عليها خلوصُه اى خلوصُ المفردِ من تنافرِ الحروفِ والغرابةِ ومخالفةِ القياسِ اللغويّ.

**ترجمہ**: لہذا فصاحت فی المفرد، مصنف نے فصاحت کو بلاغت سے پہلے بیان کیا، بلاغت کا پہچاننا فصاحت کے پہچاننے پر موقوف ہونے کی وجہ سے اس لیے کہ فصاحت بلاغت کی تعریف میں ملحوظ ہے (موجود ہے) پھر مصنف نے فصاحت فی المفرد کو فصاحت فی الکلام اور فصاحت فی المتکلم پر مقدم کیا، ان دونوں کے موقوف ہونے کی وجہ سے فصاحت فی المفرد پر پس فصاحت فی المفرد اس کا تنافر حروف اور غرابت اور مخالفت قیاس لغوی سے خالی ہونا ہے۔

(۱) مطلب بیان کریں (۲) تنافر حروف، غرابت اور مخالفت قیاس لغوی کی وضاحت کریں، ہر ایک کی مثال بھی لکھیں، (۳) قیاس لغوی سے کیا مراد ہے؟

(۱) صاحب مختصر المعانی علامہ تفتازانی المولود ۷۲۲ھ المتوفی ۷۹۲ھ مذکورہ عبارت میں بلاغت سے پہلے فصاحت کو بیان کرنے کی وجہ بیان کررہے ہیں۔

فرماتے ہیں چونکہ بلاغت کی تعریف میں لفظ فصاحت آیا ہوا ہے لہذا بلاغت کا جاننا فصاحت کے جاننے پر موقوف ہوا، لہذا فصاحت موقوف علیہ ہوا اور بلاغت موقوف اور

قاعدہ ہے موقوف علیہ موقوف پر مقدم ہوتا ہے لہذا فصاحت بلاغت پر مقدم ہوئی پھر شارح فرماتے ہیں کہ جب فصاحت کی تین قسمیں ہیں تو فصاحت فی المفرد کو مقدم کیوں کیا تو اس کا جواب بھی اسی طرح ہے کہ فصاحت فی الکلام والمتکلم کا جاننا فصاحت فی المفرد پر موقوف ہے۔

(۲) پھر مصنف نے فصاحت فی المفرد کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ تین چیزوں سے فصاحت فی المفرد کا خالی ہونا ضروری ہے (۱) تنافر حروف (۲) غرابت (۳) مخالفت قیاس۔

تنافر کہتے ہیں کلمہ کے اندر ایسا وصف پایا جائے کہ جس کی وجہ سے کلمہ کا اداء کرنا زبان پر دشوار ہو جائے جیسے مستشزرات۔

غرابت کہتے ہیں ایسے اجنبی کلمہ کو جس کی مراد ظاہر نہ ہو یا مانوس الاستعمال نہ ہو جیسے مسرج۔

مخالفت قیاس کہتے ہیں وضع کردہ مفرد الفاظ قاعدہ کے خلاف ہو یعنی واضع کی وضع کے خلاف ہو جیسے اجلل۔

(۳) قیاس لغوی سے مراد یہاں قیاس صرفی ہے جس کا منشاء کلمات لغویہ کا تدبر ہوتا ہے۔

## سوال ۸/ص:۱۵

وَقِيلَ إِنَّ قُرْبَ المَخَارِجِ سَبَبٌ لِلثِّقْلِ المُخِلِّ بِالفَصَاحَةِ وإِنَّ فِي قَوْلِهِ تَعَالٰى ألم أَعْهَدْ ثِقلاً قَرِيباً مِنْ حَدِّ التنافرِ فَيُخِلُّ بِفَصَاحَةِ الكَلِمَةِ لكِنَّ الكَلَامَ الطَوِيلَ المُشتملَ عَلٰى كَلمةٍ غيرِ فَصِيْحَةٍ لايَخرجُ عَن الفصاحةِ كَما لايَخْرُجُ الكلامُ الطويلُ المشتملُ عَلٰى كلمةٍ غيرِ عَربيةٍ عَن أن يَكُونَ عَربيًا وفيه نَظَرٌ.

**ترجمہ** : اور کہا گیا ہے کہ مخارج کا قریب ہونا ہی ثقل کا سبب ہے جو کہ فصاحت کے اندر مخل ہے اور اللہ تعالی کے قول الم اعہد الخ میں ثقل ہے جو تنافر کی حد سے قریب

ہے پس کلمہ کی فصیح ہونے میں خلل انداز ہوگا، لیکن وہ لمبا کلام جو غیر فصیح کو شامل ہو فصاحت سے نہیں نکلتا جیسا کہ وہ لمبا کلام جو غیر عربی کلمہ کو مشتمل ہو عربی ہونے سے خارج نہیں ہوتا۔

(۱) یہ بحث کس لفظ کے ثقل کے سلسلہ میں ہے، (۲) مطلب لکھئے، (۳) نَـظَـرٌ کی مکمل تشریح کیجئے۔

(۱) یہ بحث تنافر کلمات کے ثقل کے بارے میں ہے۔

(۲) علامہ زوزنیؒ فرماتے ہیں اگر کوئی حرف ایسا ہے جس کے مخرج قریب قریب ہیں اس سے بھی کلمہ کے اندر ثقل پیدا ہو جائے گا اور کلمہ فصیح نہیں رہے گا، ان پر اشکال ہوا کہ قرآن کریم میں الم اعهد آیا ہے، اس میں قریب المخارج حرف ہیں لہذا یہ کلمہ غیر فصیح ہوگا، اور قرآن کا کلمہ غیر فصیح پر مشتمل ہونا لازم آئے گا، حالانکہ قرآن کریم پورا کا پورا فصیح ہے، تو انہوں نے اس کا جواب دیا کہ اگر لمبے کلام کے اندر ایک آدھ حرف غیر فصیح آجائے تو کلام فصیح ہی رہتا ہے جیسا کہ اگر عربی کی لمبی عبارت میں کوئی حرف غیر عربی آجائے تو کلام عربی رہتا ہے جیسے قرآن میں ابراہیم وغیرہ عجمی لفظ آیا ہے۔

(۳) شارحؒ علامہ زوزنیؒ کے کلام پر نظر قائم کرتے ہوئے فرماتے ہیں فصاحت کلام کی تعریف میں تمام کلمات کا فصیح ہونا شرط ہے خواہ وہ کلام طویل ہو یا قصیر، لہذا آپ کا یہ کہنا طویل کلام میں غیر فصیح آنے سے کلام فصیح رہتا ہے غلط ہوگا۔

اور انہوں نے کلام فصیح کو قیاس کیا تھا کلام عربی پر شارح کہتے ہیں کہ یہ قیاس درست نہیں ہے اس لیے کہ کلام فصیح کے اندر تمام کلمات کا فصیح ہونا شرط ہے لیکن کلام عربی کے اندر تمام کلمات کا عربی ہونا شرط نہیں ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

## سوال:۹/ص:۱۶

وَالـغَـرَابةُ نَحوُ وَفَاحِمًا كَالفَحْمِ وَمُرْسَنًا مُسرَّجًا كَالسَّيفِ السُرَيجِيّ فِي اللغةِ والاستِوَاءِ أو كَالسِراجِ فِي البَرِيقِ وَاللَّمْعَانِ أو المُخالَفَةِ نَحوُ أجلَلُ الحمد للهِ العليِّ الأجلَلِ قِيلَ فَصَاحَةُ المُفرَدِ خُلوصُهُ مِمَّا ذُكِرَ وَمِن

الکراهۃِ فِی السَّمُعِ.

**ترجمہ**: اورغرابت جیسے کالے بال کوئلہ کی طرح اورناک جومسرج ہے یعنی سریجی تلوار کی طرح باریکی اور برابر ہونے میں یا چراغ کی طرح روشن ہونے میں اور چمکنے میں یا مخالفت جیسے اجلل الحمد لله العلي الاجلل کے اندر کہا گیا ہے فصاحت مفرد اس کا خالی ہونا ہے ان چیزوں سے جوذکر کی گئی ہیں اور کراہت فی السمع سے۔

(۱)غرابت کی تعریف کریں (۲)شعر کے اندر کونسا لفظ غریب ہے اور کس طرح؟(۳) مخالفت قیاس کی تعریف مع مثال اور کراہت فی السمع کی تعریف مع مثال اور شارح کی قائم کردہ نظر کی وضاحت کریں۔

(۱۔۲)غرابت کہتے ہیں کلمہ وحشی ہو اس کی دوصورتیں ہیں یا تو کلمہ اپنے معنی موضوع لہ پر دلالت کرنے میں ظاہر نہ ہو، یا غیر مانوس ہو، یعنی اہل عرب کے یہاں غیر مستعمل ہو جیسا کہ شعر کے اندر مسرج غیر مستعمل لفظ ہے اور اس کو سمجھنے کے لیے سبب بعیدکا ارتکاب کرنا پڑتا ہے اس طور پر کہ مسرج کا معنی سریجی تلوار کی طرح باریک اور سیدھی خوبصورت ناک کے ہیں، یا اس کے معنی چراغ کی طرح روشن ناک کے ہیں مسرج چونکہ غیر مستعمل لفظ تھا اس لیے اس کو اس معنی میں استعمال کے لیے دور کا سبب اختیار کر کے کہنا پڑا کہ شاعر محبوبہ کی ناک کو مسرج نامی تلوار کے ساتھ باریکی اور سیدھا ہونے میں یا چراغ کے ساتھ روشن ہونے میں تشبیہ دے رہا ہے۔

(۳) مخالفت قیاس یہ ہے کہ کلمہ الفاظ موضوعہ مفردہ کے قانون کے خلاف ہو یعنی واضع کی وضع کے خلاف استعمال ہو جیسے اجلل واضع سے اجلّ ادغام کے ساتھ منقول ہے اور یہاں بغیر ادغام کے آیا ہے۔

کراہت فی السمع کہتے ہیں کہ لفظ میں کوئی ایسا وصف پایا جائے جس کی وجہ سے کان اس کو سننا ناپسند کرے اس کی مثال الجرشی ہے اس کے سننے سے کان کے اندر ایک قسم کی کراہت محسوس ہوتی ہے۔

شارح فرماتے ہیں کہ کراہت فی السمع سے خالی ہونے کی شرط محل نظر ہے۔

کیوں کہ کراہت فی السمع اس غرابت کی وجہ سے ہوتی ہے جس کی وضاحت وحشت سے کردی ہے اور غرابت سے خالی ہونے کی شرط پہلے لگا چکے ہیں اس لیے الگ سے کراہت فی السمع سے خالی ہونے کی شرط لگانا ضروری نہیں ہے۔

## سوال: ۱۰/ص: ۱۷

والفصاحةُفِي الكلامِ خلوصُهُ مِنْ ضُعْفِ التاليفِ وتَنافُرِ الكَلِمَاتِ وَالتَّعْقِيدِ مَع فَصَاحَتِهَا هُوَ حَالٌ مِنَ الضَّمِيرِ فِي خُلُوصِهِ وَاحترزَ بِهِ عَن مثل زَيدٌ أَجْلَلُ وَشَعرهُ مُستَشْزِرٌ وأَنفُه مُسَرَّجٌ وقِيلَ هُو حَالٌ مِن الكَلِماتِ وَلَوْ ذَكَرَهُ بجنبها لَسَلِمَ مِن الفَصلِ بَينَ الحالِ وَذِيُها بِالاَجْنَبِيِّ وَفِيهِ نَظَرٌ لِاَنَّهُ حِينئذٍ يَكونُ قَيْداً لِلتنافرِ لاَلِلخُلُوصِ.

**ترجمہ**: فصاحت کلام کلام کا ضعف تالیف، تنافر کلمات اور تعقید سے خالی ہونا ہے، اس حال میں کہ اس کلام کے تمام کلمات فصیح ہوں، ''مع فصاحتها'' خلوصه کی ضمیر سے حال ہے اور مصنف نے اس سے زید اجلل، شعره مستشزر، وانفه مسرج جیسی مثالوں سے احتراز کیا ہے اور کہا گیا ہے کہ وہ حال ہے کلمات سے اور اگر مصنف کلمات سے متصل ذکر کرتے تو حال، ذوالحال کے درمیان فصل اجنبی سے محفوظ ہوتے اور اس میں نظر ہے کیوں کہ اس وقت قید تنافر کی ہوگی نہ کہ خلوصہ کی۔

(۱) ضعف تالیف، تنافر کلمات اور تعقید کی تعریف کریں (۲) عبارت کی تشریح کرتے ہوئے واضح کریں کہ کلمات سے حال ہونے کی صورت میں اس کا ترجمہ، مطلب کیا ہوگا (۳) فیہ نظر سے اس پر جو نظر قائم کی گئی ہے اس کو سمجھائیے۔

(۱) ضعف تالیف یہ ہے کہ کلام کی ترتیب جمہور نحوی کے مابین کسی مشہور نحوی قاعدہ کے خلاف ہو جیسے ''اضمار قبل الذکر'' لفظاً ومعناً وحکماً ضرب غلامہ زید

تنافر کلمات، کلمات زبان پر باعث ثقل ہوں اگر چہ ان میں سے ہر ایک فصیح کیوں نہ ہوں۔

لیس قرب قبر حرب قبر

تعقید کہتے ہیں کلام کا اس طرح پیچیدہ ہو جانا کہ اس کی مراد سامع پر واضح نہ ہو سکے

وما مثلہ فی الناس الا مملکا

ابو امہ حیّ ابوہ یقاربہ

(۲) مصنفؒ یہاں سے فصاحت کلام کی تعریف فرما رہے ہیں فصاحت کلام کے لیے ضروری ہے کہ کلام میں تین چیزیں یعنی ضعف تالیف، تنافر کلمات، تعقید میں سے کوئی چیز بھی نہ ہو، اگر ان میں سے کوئی ایک بھی کلام میں پائی جائے تو کلام فصیح نہیں رہے گا۔

پھر مصنف نے ان کے ساتھ مع فصاحتھا کی شرط لگائی ہے شارح کہتے ہیں مع فصاحتھا خلوصہ کی ضمیر سے حال ہے اب مطلب یہ ہوگا کہ یہ تینوں چیزیں نہ ہوں اور کلمات فصیح ہوں، تو اس وقت کلام فصیح ہوگا، لہذا اس قید کے ذریعہ "زید اجلل""شعرہ مستشزر" "انفہ مسرج" سے احتراز ہو جائے گا کیوں کہ پہلا قیاس کے خلاف ہے دوسرا تنافر کلمات میں سے ہے تیسرا غریب ہے، بعض لوگ کہتے ہیں مع فصاحتھا کلمات سے حال ہے اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ اگر مصنف مع فصاحتھا کو کلمات کے متصلاً اور التعقید سے پہلے بیان کر دیتے تو حال اور ذوالحال کے درمیان فصل اجنبی لازم نہ آتا۔

(۳) شارحؒ اس پر نظر قائم فرما رہے ہیں کہ اگر اس کو کلمات سے حال قرار دیں تو مصنف کا مقصد بدل جائے گا اس طور پر کہ حال ذوالحال کے عامل کے لیے قید ہوتا ہے پس مع فصاحتھا اپنے ذوالحال یعنی کلمات کے عامل تنافر کے لیے قید ہوگا اور خلوص یہاں نفی کے معنی میں ہے، اور قاعدہ ہے کہ جب نفی مقید بالقید پر داخل ہوتی ہے تو قید کی نفی کرتی ہے تو مطلب ہوگا کہ کلام کے اندر یہ تینوں چیزیں موجود ہوں اور کلمات فصیح نہ ہوں، تو اس وقت کلام فصیح ہوگا حالانکہ یہ مصنفؒ کے مقصد کے خلاف ہے۔

## سوال: ۱۱/ص: ۲۰

كَقَولِ الفَرَزْدَقِ فِي مدحِ خَالِ هِشَامِ بنِ عَبدِالمَلِكِ بنِ مَروَانِ وهُو

إبْرَاهِيمُ بنُ هشَامِ بنِ اسمٰعِيل المَخزُومِي .شعر . ومامِثلهُ في النَّاسِ إلَّا مُمَلَّكًا ☆ أبُو أُمّهِ حيٌّ أبوهُ يُقارِبُهُ .

ترجمہ: جیسے فرزدق کا قول ہشام بن عبدالملک بن مروان کے ماموں کی تعریف میں اور وہ ابراہیم بن ہشام بن اسماعیل مخزومی ہیں اور اس جیسا لوگوں میں کوئی بھی زندہ نہیں ہے جو اس کے قریب ہو سوائے بادشاہ کے کہ اس کی ماں کا باپ اس کا باپ ہے۔

(۱) شعر کا مطلب لکھیے، (۲) تعقید کی تعریف اور تعقید کی کتنی قسم ہے اور یہ کونسی تعقید کی مثال ہے (۳) شعر کی ترکیب کرتے ہوئے بتلائے کہ اس میں تعقید کس طرح ہے۔

(۱) اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ ابراہیم کے مرتبہ ورتبہ کے برابر ہشام بن عبدالملک کے علاوہ دنیا میں کوئی نہیں ہے۔

(۲) تعقید کے لغوی معنی ہیں مبہم کلام کرنا (مصباح اللغات)

تعقید اصطلاح میں کلام کا اس طرح پیچیدہ ہو جانا کہ اس کی مراد سامع پر واضح نہ ہو سکے۔

تعقید کی دو قسمیں ہیں: تعقید لفظی، معنوی۔

تعقید لفظی میں پیچیدگی الفاظ کی تقدیم وتاخیر یا حذف کرنے یا ضمیر لانے کی وجہ سے ہوتی ہے۔

تعقید معنوی میں پوشیدگی ذہن کے معنی حقیقی سے معنی مجازی کی طرف منتقل ہونے میں ہوتی ہے۔

اور مذکورہ مثال تعقید لفظی کی ہے۔

(۳) **ترکیب**: **مامثلہ** لیس، مثلہ مرکب اضافی ہو کر مبدل منہ، حی موصوف، یقاربہ صفت بعدہ مستثنیٰ منہ **مملکا** موصوف ابو امہ مرکب اضافی ہو کر مبتداء ابوہ مرکب اضافی ہو کر خبر مبتداء خبر سے مل کر **مملکا** کی صفت، موصوف صفت سے مل کر مستثنیٰ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ سے مل کر بدل، مبدل منہ اپنے بدل سے مل کر ما کا اسم فی الناس ظرف

مستقر ہو کر ما کی خبر۔

مذکورہ شعر میں تعقید اس طرح ہے کہ ابو امہ مبتداء ابوہ خبر کے درمیان حیّ کا فصل اجنبی ہے اسی طرح حی موصوف یقاربہ صفت کے درمیان ابوہ کا فصل اجنبی ہے مستثنیٰ منہ حی پر مستثنیٰ مملکا کی تقدیم اسی طرح بدل حی اور مبدل منہ مثلہ کے درمیان فصل واضح ہے انہی وجوہ سے مذکورہ شعر میں پیچیدگی آ گئی ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

## سوال:۱۲/ص:۲۱

وَاَمَّا فِی الاِنْتِقَالِ عطفٌ عَلٰی قَولِہٖ اِمَّا فِی النَّظْمِ اَیْ لایَکُونُ الکَلامُ ظَاھِرَ الدلالۃِ علی المُرادِ لِخللٍ واقعٍ فِی اِنْتقالِ الذِّھنِ من المَعنَی الاَوَّلِ اِلَی الثانی المقصودِ کقولِ الآخر شعر......

سَاَطْلُبُ بُعْدَ الدَّارِ عَنْکُمْ لِتَقْرُبُوْا
وَتَسْکُبُ عَیْنَایَ الدُّمُوْعَ لِتَجْمُدَا

**ترجمہ**: واما فی الانتقال یہ ماتن کے قول اما فی النظم پر معطوف ہے یعنی کلام معنی مرادی پر دلالت کرنے میں ظاہر نہ ہو اس خلل کی وجہ سے جو واقع ہو معنی اول سے معنی ثانی مقصود کی طرف ذہن کے منتقل ہونے میں جیسے شاعر کا قول: میں تم سے گھر کی دوری طلب کروں گا تاکہ تم قریب ہو اور میری آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں تاکہ وہ خشک ہو جائیں۔

(۱) تعقید لفظی ومعنوی کی تعریف لکھئے، (۲) معنی اول وثانی کی مراد بیان کیجئے (۳) سکب دموع اور جمود عین کے لغوی ومرادی معنی لکھ کر شعر میں پائی جانے والی تعقید کی حسب بیان مصنفؒ واضح کیجئے۔

(۱) تعقید لفظی ومعنوی کی تعریف سوال :۱۱ رمیں گذر چکی ہے لہذا وہاں ملاحظہ فرمایئے۔

(۲) معنی اول سے مراد معنی حقیقی ہے جو لغت سے سمجھا جاتا ہے اور معنی ثانی سے مراد معنی مجازی ہے جو متکلم کا مقصود ہوتا ہے۔

(۳) سبک دموع کے لغوی معنی آنسو بہانا، اور جمود عین کے لغوی معنی آنسو کا خشک ہو جانا۔

شارحؒ نے اس شعر کے اندر کنایہ کو اس طرح بیان کیا ہے کہ شاعر نے اس شعر میں دو کنایہ استعمال کیے ہیں، پہلا کنایہ یہ ہے کہ آنسوؤں کے جاری ہونے کو اس نے حزن وغم سے کنایہ کیا ہے یہ کنایہ واضح ہے دوسرا کنایہ آنسوؤں کے خشک ہو جانے سے خوشی کا کنایہ کیا ہے، اس میں تعقید ہے کیوں کہ جمود عین سے رونے کے وقت اس بات کا کنایہ کیا جاتا ہے کہ آنکھیں آنسو بہانے سے بخل کر رہی ہیں اور آنسو نہیں بہا رہی ہیں، لیکن شاعر نے خوشی مراد لی ہے اس طور پر کہ شاعر کہہ رہا ہے کہ تم سے جدائی اختیار کروں گا اور خوب، روؤں گا اور صبر کروں گا یہاں تک کہ صبر کے بدلے میں مجھے خوشی حاصل ہوگی۔

## سوال: ۱۳ /ص: ۲۲

وَتُسعِدنِی فِی غَمرةٍ بَعْدَ غَمْرَةٍ سَبُوحٌ ای فَرَسٌ حَسَنُ الجَرِیِ لاتُتعِبُ رَاکِبَهَا کَأَنَّهَا تَجرِیْ عَلَی المَاءِ لَهَا صِفَةُ سَبُوحٍ مِنهَاحالٌ مِنَ الشَّوَاهِدِ عَلَیهَا مُتَعَلِّقٌ بِشَوَاهِدِ شَوَاهِدُ فاعلُ الظرفِ أعنی لها قِیلَ التکرارُ ذِکرُ الشئیِ مرةً بعد اُخریٰ ولا یخفی انه لایحصلُ کثرتهٗ بذکره ثالثاًو فِیه نَظَرٌ.

**ترجمہ**: تیز رفتار گھوڑا میری ہر مصیبت میں مدد کرتا ہے جو اپنے سوار کو تھکاتا نہیں ہے گویا کہ وہ پانی پر تیر رہا ہے لھا سبوح کی صفت ہے منھا شواھد سے حال ہے علیھا شواھد سے متعلق شواھد ظرف یعنی لھا کا فاعل کہا گیا ہے کہ تکرار کسی چیز کو دو مرتبہ ذکر کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ کثرت تکرار حاصل نہیں ہوگی تین مرتبہ ذکر کرنے سے اور اس میں نظر ہے۔

(۱) پورے شعر کی ترکیب لکھیں، (۲) شعر کو کس چیز کی مثال میں پیش کیا گیا ہے، اور محل استشہاد کیا ہے، لھا، منھا، علیھا کی ضمیر کا مرجع متعین کریں، (۳) نظر کی وضاحت کریں۔

(۱) ترکیب: تسعد فعل نی مفعول بہ فی غمرۃ تسعد کے متعلق، بعد غمرۃ ظرف تسعد کا، سبوح موصوف لھا ظرف لغو ہوکر صفت ہے سبوحٌ کی، منھا کائناً سے متعلق ہوکر شواہد سے حال علیھا شواھد سے متعلق ہے، شواھد ذوالحال اپنے حال سے ملکر اس فعل کا فاعل جس سے لھا متعلق ہے، پھر سبوحٌ موصوف اپنے صفت سے ملکر تسعد کا فاعل مذکورہ شعر میں شاعر گھوڑے کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ گھوڑا بہت عمدہ ہے، تیز رفتار ہے اس پر سواری کرنے والا تھکن محسوس نہیں کرتا ہے۔

(۲) مذکورہ شعر کثرت تکرار کی مثال میں پیش کیا گیا ہے، اور محل استشہاد لھا، منھا، علیھا، ہیں، تینوں ضمیریں گھوڑے کی طرف لوٹ رہی ہیں۔

(۳) شارحؒ قیل سے علامہ زوزنیؒ کا اعتراض نقل کر رہے ہیں، علامہ زوزنی کا کہنا ہے کہ ایک چیز کو تین بار ذکر کرنے سے کثرت تکرار نہیں ہوگا، کیونکہ تکرار کے لیے ضروری ہے ایک چیز کو دو بار ذکر کرنا، اور تعدد کے لیے چار بار اور کثرت کے لیے چھ بار، لہٰذا تین بار ضمیر ذکر کرنے سے یہ شعر فصاحت سے خالی نہیں ہوگا، شارحؒ نظر قائم کرتے ہوئے فرماتے ہیں، یہاں کثرت وحدت کے مقابلہ میں ہے، یعنی اگر ایک سے زائد بار ذکر ہو جائے تو کثرتِ تکرار کی حد میں آجائے گا۔

## سوال: ۱۴رص: ۲۳

حَمَامَةُ جَرْعَیٰ حَوْمَةِ الْجَنْدَلِ اِسْجَعِیْ ، فَأَنْتِ بِمَرأَیً مِنْ سُعَادَ وَمَسْمَعٖ .

**ترجمہ**: پتھریلی بلند ریتیلی زمین کی کبوتری تو گیت گا کیوں کہ تو سعاد کے دیکھنے کی اور سننے کی جگہ میں ہے۔

(۱) مذکورہ شعر کس چیز کی مثال میں ہے، (۲) شارح نے اس پر کیا نظر قائم کی ہے (۳) پورے شعر کی لغوی تحقیق کریں۔

(۱) یہ شعر مسلسل اضافات کی مثال ہے بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ فصاحت کلام کے

لیے ضعف تالیف، تنافر کلمات اور تعقید سے خالی ہونے کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ پے در پے اضافت بھی نہ ہو اس شعر کے اندر حمامة ، جرعی کی جانب مضاف ہے اور جرعی حومة کی جانب مضاف ہے اور حومة جندل کی طرف مضاف ہے لہذا یہ شعر ان لوگوں کے نزدیک جو تتابع اضافات سے خالی ہونے کی شرط لگاتے ہیں فصاحت سے خالی ہو جائے گا۔

(۲) شارحؒ کہتے ہیں کہ اگر تتابع اضافات سے کلمات زبان پر ثقیل ہو تو یہ فصاحت سے خارج ہو جائے گا، لیکن الگ سے ذکر نے کی ضرورت نہیں کیوں کہ تنافر کلمات کے ذریعہ اس سے احتراز ہو گیا، اور اگر زبان پر کلام کے ثقل کا باعث نہ بنے تو کلام فصاحت سے خارج نہیں ہوگا، جیسا کہ اللہ کا کلام ہے "ذکر رحمة ربک عبده زکریا".

**(۳) لغوی تحقیق:**

حمامة ، کبوتری، جمع۔ حمام، جرعی ، اجرع کا مونث ہے اور اجرع اس ریتیلی زمین کو کہتے ہیں جس میں پیداوار بالکل نہ ہو حومة بلند حصہ کو کہتے ہیں جندل، پتھریلی زمین کو کہتے ہیں۔

## سوال: ۱۵ ص: ۲۵

البَلاغَةُ فِی الْکَلامِ مُطَابقتهُ لِمقتضَی الحالِ مَعَ فَصاحَتِهِ والحَالُ هُوَ الأمرُ الدَّاعِی الی أنْ یُعْتبرَ مع الْکَلامِ الذِیْ یُؤدِّیْ بِهِ اصلُ المُرادِ خُصوصیَّةٌ مَا وهُو مُقْتضَی الحالِ وتَحقِیقُ ذلک أنَّهُ مِن جُزْئیَّاتِ ذٰلکَ الکَلام الذِیْ تَقتضِیهِ الحَالُ فإنَّ الإنکارَ مَثَلاً یَقتَضِی کلاماً مُوکَّداً وهٰذا مُطابِقٌ لَهُ عَلی عَکْسِ مَایُقَالُ إن الکُلِّیَ مُطابِقٌ لِلْجُزْئیَّاتِ .

**ترجمہ:** بلاغت فی الکلام کلام کا مقتضی حال کے مطابق ہونا کلام کے فصیح ہونے کے ساتھ ساتھ اور حال وہ ایسا امر ہے جو تقاضہ کر رہا ہے اس بات کا کہ جس کلام سے اصل مراد پوری ہو جائے اس کلام کے ساتھ کسی خصوصیت کا اعتبار کیا جائے اور وہ خصوصیت

مقتضی حال ہے اوراس کی تحقیق یہ ہے کہ بلاشبہ وہ اس کلام کے جزئیات میں سے ہے جس کا حال تقاضہ کرتا ہے مثلاً مخاطب کا منکر حکم ہونا ایک حال ہے کلام کو موکدلانے کا تقاضہ کرتا ہے اور یہ اس کے مطابق ہے اس چیز کے عکس پر جو کہا جاتا ہے کہ کلی جزئیات کے مطابق ہے۔

(۱) حال اور مقتضی حال اور مطابقت کے الگ الگ معنی جو مذکورہ عبارت میں ذکر کئے گئے ہیں ان کی وضاحت کریں (۲) مع فصاحتہ میں ضمیر کا مرجع متعین کرتے ہوئے مراد مصنفؒ واضح کیجئے۔

(۱) حال اور وہ ایسی قوت ہے جو اس بات کا داعی ہو کہ جس کلام کے ذریعہ مقصود اداء کیا جاتا ہے اس کے اندر کسی خصوصیت کا لحاظ کیا جائے۔

مقتضی حال کہتے ہیں جس خصوصیت کا اعتبار کیا جائے وہی مقتضی حال ہے۔

مطابقت مقتضی حال اگر کلام اس خصوصیت پر مشتمل ہو تو مطابقت مقتضی حال ہے ،مثلاً مخاطب کا حکم کا منکر ہونا ایک حال ہے جو متکلم کے لیے کلام کے اندر تاکید لانے کا تقاضہ کرتا ہے اور وہی تاکید مقتضی حال ہے اور کلام کا تاکید کے ساتھ لانا مطابقت مقتضی حال ہے۔

(۲) مع فصاحتہ کی ضمیر کا مرجع کلام ہے۔

مصنفؒ یہاں سے بلاغت فی الکلام کے لیے دو چیزیں شرط ہیں ان کو بیان فرمارہے ہیں (۱) کلام مقتضی حال کے مطابق ہو یعنی حال جن چیزوں کا تقاضہ کرتا ہے کلام کو اس کے مطابق لانا ،(۲) کلام فصیح ہو اگر کلام فصیح نہ ہو تو خواہ کلام مقتضی حال کے مطابق ہو اس کے باوجود کلام بلیغ نہیں ہوگا۔

## سوال:۱۶/ص:۲۴

وَالفَصَاحَةُ فِی المُتَکَلِّمِ مَلَکَةٌ وَهِیَ کَیْفِیَّةٌ رَاسِخَةٌ فِی النَّفْسِ وَالکَیْفِیَّةُ عَرَضٌ لَایَتَوَقَّفُ تَعَقُّلُهٗ علی تَعَقُّلِ الغَیْرِ ولا یَقْتَضِیْ القِسمةَ واللَّاقسمةَ فی

مَحلّہٖ اِقْتضاءً أوّلیًا فخرج بالقیدِ الاوّلِ الأعراضُ النسبیّۃُ مثلُ الاضافۃ والفِعْلِ والانْفِعالِ ونحو ذٰلک۔

**ترجمہ**: اور فصاحت فی المتکلم ایسی کیفیت ہے جو نفس کے اندر راسخ ہو جائے اور کیفیت ایسا عرض ہے جس کا سمجھنا دوسرے کے سمجھنے پر موقوف نہیں ہوتا اور یہ تقسیم کا تقاضہ کرتا ہے اور نہ عدم تقسیم کا اپنے محل میں اقتضاء اوّلی کے طور پر پس قید اول سے اعراض نسبیہ خارج ہو گیا، جیسا کہ اضافت، فعل، اور انفعال جیسی چیزیں۔

(۱) فصاحت فی المتکلم کی تعریف کیجئے اور اس کی وضاحت کیجئے (۲) کیفیت کی تعریف کیجئے اور اس کی وضاحت کیجئے۔

(۱) فصاحت فی المتکلم ایسا ملکہ ہے جس کی وجہ سے انسان اپنے مافی الضمیر کو فصیح الفاظ میں ادا کرنے پر قادر ہوتا ہے۔

پھر مذکورہ تعریف کی وضاحت کرتے ہوئے مصنف فرماتے ہیں کہ مذکورہ تعریف میں پہلا لفظ ملکہ ہے اس سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے اگر کوئی مقصود کو فصیح لفظ سے تعبیر کرے تو علماء بلاغت کی اصطلاح میں فصیح نہیں ہوگا جب تک کہ اس کے اندر یہ صفت راسخ نہ ہو جائے دوسری قید یقتدر بھا علی التعبیر عن المقصود ہے مصنف نے اس عبارت سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ فی الحال تعبیر کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ ضروری ہے اس کے اندر یہ ملکہ پایا جائے۔

مصنف کی تیسری قید "بلفظ فصیح" ہے اس لیے کہا تاکہ اس میں مفرد اور مرکب دونوں آجائیں۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(۲) کیفیت کی تعریف: کیفیت ایسا عرض ہے جس کا سمجھنا دوسرے کے سمجھنے پر موقوف نہ ہو اور وہ اپنے محل میں تقسیم اور عدم تقسیم کا اقتضاء اولی کے طور پر تقاضہ نہ کرتا ہو۔

مذکورہ تعریف میں پہلی قید "لا یتوقف تعقلہ علی تعقل الغیر" ہے اس سے اعراض نسبیہ یعنی اضافت وغیرہ خارج ہو گئے، دوسری قید "لا یقتضی القسمۃ" ہے

اس سے کم خارج ہوگیا کیوں کہ وہ تقسیم کا تقاضہ کرتا ہے تیسری قید "والاقسمة" ہے اس سے نقطہ اور وحدت خارج ہو گئے ہیں کیوں کہ یہ دونوں عدم تقسیم کو قبول کرتے ہیں اور اسی طرح "اقتضاء اولیا" چوتھی قید ہے لیکن اس کے ذریعہ علم بالمعلومات کو داخل کرنا مقصود ہے کسی کو خارج کرنا مقصود نہیں، اس طور پر کہ "اولیا" سے مراد بالذات ہے اور مطلب یہ ہے کہ کیفیت اس عرض کا نام ہے جس کا سمجھنا کسی دوسرے کے سمجھنے پر موقوف نہ ہو اور اپنے محل میں بالذات تقسیم اور عدم تقسیم کا تقاضہ نہ کرتا ہو۔

## سوال: ۱۷ ارص: ۲۸

فَالبَلَاغَةُ صِفَةٌ رَاجِعةٌ اِلَى اللَفظِ بمعنى أنه كلامٌ بليغٌ لكِنْ لا مِن حيثُ أنَّهُ لفظٌ وصوتٌ بَل بِاعتبارِ إفادَتِهِ المَعْنٰى بِالتَّرْكِيبِ وَكثيراً مَايُسمّٰى فَصَاحةً أيضًا.

**ترجمہ:** پس بلاغت ایسی صفت ہے جو لفظ کی طرف راجع ہے بایں معنی کہ کلام بلیغ ہے لیکن اس حیثیت سے نہیں کہ وہ لفظ اور آواز ہے بلکہ اس اعتبار سے جو ترکیب کے ساتھ معنی کا فائدہ دیتا ہے اور بسا اوقات اس کو فصاحت بھی کہہ دیتے ہیں۔

(۱) مصنفؒ مذکورہ عبارت میں کیا کہنا چاہتے ہیں (۲) معنی سے کیا مراد ہے (۳) مصنفؒ نے جو دعوی کیا ہے اس کی دلیل بیان کریں (۴) کثیراً منصوب کیوں ہے۔

(۱) مصنفؒ کا مقصد اس عبارت سے شیخ عبدالقاہرؒ کے کلام میں پیدا ہونے والے تعارض کو دفع کرنا ہے، تعارض اس طور پر ہے کہ شیخ عبدالقاہرؒ نے کبھی بلاغت کو لفظ کی صفت بنایا اور کبھی لفظ سے بلاغت کی نفی کرتے ہیں، اسی طرح کبھی بلاغت کو معنی کی صفت بنایا کبھی معنی سے بلاغت کی نفی کرتے ہیں۔

مصنفؒ نے کہا کہ بلاغت لفظ کی صفت ہے لیکن محض اس حیثیت سے صفت نہیں ہے کہ وہ لفظ اور آواز ہے بلکہ اس طور پر صفت ہے کہ اس سے معنی کا فائدہ حاصل ہوتا ہے تو شیخ نے جہاں لفظ کی صفت قرار دیا ہے اس سے مراد وہ لفظ ہے جہاں معنی کا فائدہ حاصل ہوتا

ہے اور جہاں لفظ سے نفی کی ہے، وہ لفظ ہے جو محض آواز ہے، اور جہاں معنی کی صفت قرار دیا ہے وہ معنی ہے جو لفظ سے زائد معنی حاصل ہوتے ہیں اور جہاں نفی کی ہے اس معنی کی نفی مقصود ہے جہاں زائد معنی حاصل نہیں ہوتے ہیں۔

(۲) معنی سے مراد وہ خصوصیتیں ہیں جن کا حال تقاضہ کرتا ہے اور وہ معنی اصل سے زاید ہوں۔

(۳) مصنف کے دعوی میں دو جز ہیں (۱) بلاغت لفظ کی صفت ہے (۲) اس لفظ کی صفت ہے جس سے معنی زائد حاصل ہوتے ہیں۔

پہلے دعوی کی دلیل یہ ہے کہ بلاغت کی تعریف ہے کلام فصیح کا مقتضی حال کے مطابق ہونا۔

اس میں مطابقت کو جس سے مراد بلاغت ہی ہے کلام کی طرف مضاف کیا گیا ہے اور کلام سے مراد لفظ ہے لہذا بلاغت لفظ کی صفت ہے۔

دوسرے جزء کی دلیل یہ ہے کہ مطابقت اور عدم مطابقت محض الفاظ کے لیے نہیں ہوتی ہے بلکہ معنی کے لیے ہوتی ہے جن کے لیے کلام لایا جاتا ہے یعنی مقتضی حال۔

اور ان الفاظ کے لیے نہیں ہوتی ہے جو کسی معنی پر دلالت نہ کرتے ہوں، لہذا معلوم ہوا کہ بلاغت مطلق لفظ کی صفت نہیں ہے بلکہ اس لفظ کی صفت ہے جس سے معنی کا فائدہ حاصل ہوتا ہو۔

(۴) کثیراً منصوب ہے ظرف کی بناء پر۔

## سوال: ۱۸/ص: ۲۹

وَلَهَا طَرفَانِ أعلٰى وَهو حَدُّ الإعْجَازِ وَمَا يَقْرُبُ مِنْهُ عَطفٌ علٰى قَولِهِ هو وَالضمِيرُ فِي مِنْهُ عَائِدٌ إلٰى اَعْلٰى يعني أنَّ الأعلٰى وما يقرُبُ مِنْهُ كلاهما حدُّ الاعْجَازِ وزَعَمَ بَعْضُهُمْ أَنَّهُ عَطفٌ عَلٰى حَدِّ الاعجازِ والضَّمِيرُ عَائِدٌ إلَيْهِ.

**ترجمہ** : بلاغت کلام کے لیے دو درجہ ہیں، اعلی، وہ حد اعجاز ہے اور جو اعلی کے قریب

ہو ''و مایقرب منہ'' معطوف ہے ماتن کے قول ھو پر اور ضمیر منہ میں اعلی کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی اعلی اور جو اعلی سے قریب ہے اور وہ دونوں حد اعجاز ہیں بعض لوگوں نے گمان کیا ہے کہ اس کا عطف ہے حد اعجاز پر اور ضمیر لوٹ رہی ہے حد اعجاز کی طرف۔

(۱) لھا ضمیر کا مرجع متعین کرتے ہوئے مطلب لکھئے (۲) حد الاعجاز پر عطف کی صورت میں کیا خرابی لازم آئے گی؟۔

(۱) لھا ضمیر کا مرجع بلاغت کلام ہے حد اعجاز کی تعریف یہ ہے کہ کلام بلاغت کے اتنے اعلی مقام پر پہنچ جائے کہ انسان کی طاقت سے باہر ہو جائے اور انسان اس کا مثل پیش نہ کر سکے، اس عبارت سے مصنف کا مقصد یہ ہے کہ بلاغت کے مراتب و درجہ میں فرق ہوتا ہے بعض اعلی ہوتے ہیں بعض اوسط ہوتے ہیں اور بعض ادنی یہ فرق کلام میں مقتضائے احوال کی کامل رعایت کرنے یا نہ کرنے سے ہوتا ہے۔

آگے شارحؒ فرماتے ہیں مایقرب کا عطف ھو پر ہے اور منہ کی ضمیر اعلی کی طرف لوٹ رہی اب مطلب ہوگا کہ حد اعجاز دو چیزیں ہیں (۱) طرف اعلی، (۲) جو طرف اعلی کے قریب ہو۔

بعض لوگ کہتے ہیں مایقرب کا معطوف علیہ حد اعجاز ہے ضمیر منہ میں حد اعجاز کی طرف لوٹ رہی ہے اب مطلب یہ ہوگا کہ طرف اعلی ایک نوع ہے اس کے تحت دو فرد ہیں (۱) حد اعجاز (۲) جو حد اعجاز سے قریب ہو۔

(۲) حد اعجاز پر عطف کرنے کی صورت میں خرابی یہ ہوگی کہ طرف اعلی کے دو فرد ہونا لازم آئے گا حالانکہ طرف اعلی بسیط ہے اور بسیط میں تقسیم نہیں ہوتی ہے، اس صورت میں تقسیم ہو رہی ہے۔

## سوال: ۱۹/ص: ۲۹

وكثيراً مَّا نَصَبَ عَلَى الظَّرفِيَّةِ لِأَنَّهُ مِنْ صِفَةِ الأَحيَانِ وماَ لتاكِيدِ معنَى الكثرةِ والعاملُ فِيهِ قَولُهُ يُسَمّٰى ذٰلک الوصفُ المَذكورةُ فصاحةً ايضًا

كما يُسمّى البلاغةُ فحيثُ يُقالُ إنَّ إعجازَ القرآنِ من جهةِ كونِهِ في أعلىٰ طبقاتِ الفصاحةِ يُرادُ بها هٰذا المعنىٰ.

**ترجمہ**: و کثیراً ما ظرفیۃ کی بناء پر منصوب ہے اس لیے کہ احیان کی صفت ہے اور ما کثرت کے معنی کی تاکید کے لیے ہے اور عامل اس کے اندر ماتن کا قول یسمی ہے بسا اوقات اس وصف کو بھی فصاحت کہہ دیا جاتا ہے جیسا کہ اس کو بلاغت کہہ دیا جاتا ہے چنانچہ جہاں کہا جائے کہ قرآن کا معجزہ قرآن کے فصاحت کے طبقہ کے اعلیٰ درجہ میں ہونے کی وجہ سے ہے اس سے یہی معنی مراد ہوتے ہیں۔

(۱) اس عبارت کی تشریح کیجئے (۲) ھذا المعنی کی توضیح کرتے ہوئے "ذلک الوصف المذکورۃ" کو واضح کریں۔

(۱) اس عبارت کو لانے کا مقصد یہ ہے کہ وہ اس کلام کو جو مقتضی حال کے مطابق ہو اس کو بلاغت کہتے ہیں اسی طرح اس کلام کو جو مقتضی حال کے مطابق ہو فصاحت بھی کہتے ہیں چنانچہ جب یہ کہا جائے کہ قرآن معجز اس لیے ہے کہ فصاحت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہے تو اس سے یہی معنی یعنی یہ کلام مقتضی حال کے مطابق ہے یہی مراد ہوتا ہے۔

شارح فرماتے ہیں کہ کثیراً منصوب اس لیے ہے کہ ظرف زمان واقع ہے اور ظرف زمان اس لیے ہے کہ یہ احیان کی صفت واقع ہے، اور اس کا عامل ناصب آگے آنے والا یسمی ہے اور ما، کثیراً ما میں کثرت کے معنی کی تاکید کے لیے ہے۔

(۲) ھذا المعنی سے مراد یہ ہے کہ یہ کلام مقتضی حال کے مطابق ہے۔

ذالک اسم اشارہ ہے اور اس کا مشار الیہ "الوصف المذکورۃ" ہے یعنی کلام کا مقتضی حال کے مطابق ہونا اس کو کبھی کبھی فصاحت بھی کہہ دیتے ہیں جیسا کہ یہ کہا جائے قرآن معجز اس لیے ہے کہ فصاحت کے اعلیٰ درجہ میں ہے تو یہاں فصاحت سے مراد بلاغت ہی ہوگا۔

## سوال: ۲۰/ص: ۳۰

وَالبَـلاغَةُ فِي المتكلِّمِ ملكةٌ يقتدرُ بها على تاليفِ كلامٍ بليغٍ فَعُلِمَ مِمَّا تَـقَـدَّمَ أنَّ كلَّ بَلِيغٍ كلاما كان أو متكلما على استعمالِ اللفظِ المُشْتَرَكِ فـي مَعْـنَيَيْهِ أو على تاويلِ كلُّ ما يُطْلَقُ عليهِ لفظُ البَلِيْغِ فصيحٌ لأن الفَصَاحةَ ماخوذةٌ في تعريفِ البلاغةِ مطلقاً ولاعكسَ أى بالمعنىَ اللُّغَوِيِّ.

**ترجمه:** بلاغت فی المتکلم ایسا ملکہ ہے جس کے ذریعہ متکلم بلیغ کلام کو جوڑنے پر قادر ہوجائے پس ماقبل سے معلوم ہوگیا کہ ہر بلیغ فصیح ہے خواہ بلیغ کلام ہو یا متکلم، لفظ مشترک کو اپنے دونوں معنوں میں استعمال کرنے کے ساتھ یا" کل ما یطلق علیه لفظ بـلـیغ" کی تاویل میں اس لیے کہ فصاحت بلاغت کی تعریف میں ہر حال میں ملحوظ ہے اور عکس نہیں ہے معنی لغوی کے ساتھ۔

(۱) مطلب لکھتے ہوئے فصاحت و بلاغت میں نسبت واضح کریں، (۲) بلاغت کی قسمیں اور ہر قسم کی تعریف بیان کیجئے (۳) مصنف نے عکس کو لغوی کے ساتھ کیوں مقید کیا، عکس لغوی عکس منطقی میں فرق لکھئے۔

(۱) مصنفؒ نے یہاں بلاغت فی المتکلم کی تعریف کی، پھر فرمایا ماقبل کی عبارت سے یعنی فصاحت و بلاغت کی تعریف سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ بلیغ خاص ہے فصیح عام ہے، یعنی ہر فصیح کا بلیغ ہونا ضروری نہیں لیکن ہر بلیغ فصیح ہوگا شارحؒ نے یہاں بلیغ کے دونوں معنی کلام اور متکلم مراد لی ہے اس پر اشکال ہوتا ہے کہ مشترک کے دونوں معنی بیک وقت مراد نہیں ہوسکتے تو یہاں کیسے مراد ہوں گے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

شارح نے اس کا جواب دیا "علی استعمال لفظ" سے کہ مشترک کے دونوں معنی بیک وقت مراد لینا بعض لوگ کے نزدیک صحیح ہے اس اعتبار سے یہاں مراد لیا ہے۔

اور جن کے نزدیک ناجائز ہے، ان کے یہاں بلیغ "کل مـا یطلق علیه لفظ بـلـیغ" کی تاویل میں ہے اس صورت میں مشترک معنوی ہوگا، مشترک معنوی کے دونوں

معنی بیک وقت مراد لے سکتے ہیں۔

(۲) بلاغت کی دو قسمیں ہیں: (۱) بلاغت کلام (۲) بلاغت متکلم، بلاغتِ کلام کلام کا مقتضی حال کے مطابق ہونا ہے کلام کے فصیح ہونے کے ساتھ، بلاغت فی المتکلم ایسا ملکہ ہے جس کے ذریعہ کلام بلیغ کرنے پر انسان قادر ہو جائے۔

(۳) مصنفؒ نے لفظ عکس کو لغوی کے ساتھ مقید اس لیے کیا کہ یہاں مراد عکس منطقی واصطلاحی نہیں ہے بلکہ عکس لغوی ہی ہے۔

عکس لغوی اور عکس منطقی میں فرق یہ ہے کہ لغت میں موجبہ کلیہ کا عکس موجبہ کلیہ آتا ہے اور منطق میں موجبہ کلیہ کا عکس موجبہ جزئیہ آتا ہے۔

## سوال: ۲۱/ص: ۳۴

وهو عِلمٌ اى ملكةٌ يقتدرُ بهَا على إدراكاتٍ جُزئيةٍ وَيَجُوز أن يُرادَ بِهٖ نَفسُ الأُصُولِ والقَواعِدُ المَعْلُومةُ ولاستِعْمَالهم المَعرفةَ فى الجُزئِيَّاتِ قال: يُعرفُ بِهٖ احوالُ اللفظِ العربِىِّ الَّتِىْ يطابق بها اللفظ مُقتضى الحالِ.

ترجمہ: اور وہ (علم معانی) ایسا علم ہے یعنی ملکہ ہے جس کے ذریعہ جزئیات کے ادراک پر قادر ہو جاتا ہے اور ممکن ہے یہ کہ اس سے مراد نفس اصول اور قاعدہ معلومہ مراد ہو ،اہل عرب کے معرفت کو جزئیات میں استعمال کرنے کی وجہ سے مصنفؒ نے یعرف کہا، جس کے ذریعہ عربی لفظ کے ان احوال کو جانا جائے جس کے ذریعہ لفظ مقتضی حال کے مطابق ہوتا ہے۔

(۱) ملکہ، حال، مقتضی حال کی تعریف کر کے بتائیے کہ ''ولاستعمالهم المعرفة فى الجزئيات'' سے شارحؒ کیا چاہتے ہیں (۲) علم معانی کی تعریف مع فوائد قیود لکھ کر بتائیے کہ ''هو علم'' میں علم سے کیا مراد ہے۔

(۱) ملکہ: هى كيفية راسخة فى النفس.

حال: وہ ایسا امر ہے جو تقاضہ کرے اس بات کا کہ جس کلام سے اصل مراد اداء

ہو جائے اس کلام میں کسی خصوصیت کا اعتبار کیا جائے۔
مقتضی حال: کلام میں جس خصوصیت کا اعتبار کریں گے وہی خصوصیت مقتضی حال کہلاتی ہے۔

ولاستعمالھم الخ سے شارحؒ ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں اعتراض یہ ہے کہ مصنف نے یعلم کیوں نہیں کیا اور یعرف کیوں کہا، تو شارحؒ جواب دے رہے ہیں کہ اہل عرب معرفت کا استعمال جزئیات میں کرتے ہیں اور علم کا اطلاق کلیات پر کرتے ہیں اور لفظ عربی کے احوال چونکہ جزئیات میں سے ہیں اس لیے مصنفؒ نے یعرف کہا۔

(۲) علم معانی کی تعریف: وھو علم یعرف به احوال اللفظ العربی التی بھا یطابق اللفظ مقتضی الحال .

مصنف نے احوال لفظ کہہ کر علم حکمت کو خارج کیا ہے کیوں کہ اس سے موجودات کا علم ہوتا ہے نہ کہ لفظ کے احوال کا اسی طرح علم منطق بھی خارج ہو گیا، کیوں کہ علم منطق کے ذریعہ معانی کے احوال معلوم ہوتے ہیں اسی طرح علم فقہ بھی خارج ہو گیا کیوں کہ اس سے مکلف بندہ کے احوال جانے جاتے ہیں لفظ کے احوال اس سے معلوم نہیں ہوتے اور "التی بھا یطابق اللفظ مقتضی الحال" اس سے ان احوال سے احتراز کیا ہے جن کا ہونا اصل معنی کی ادائیگی میں ضروری ہوتا ہے لفظ کو مقتضی حال کے مطابق بنانے میں ان کا کوئی عمل نہیں ہوتا ہے جیسا کہ اعلال اور ادغام، اسی طرح ان چیزوں سے احتراز کیا ہے جو مقتضی حال کے رعایت کے بعد ہوتے ہیں جیسے محسنات بدیعیہ۔

وھو علم: میں علم سے مراد یا تو ملکہ ہے یا قاعدہ کلیہ۔

## سوال: ۲۲ رص: ۳۹

صِدقُ الخَبرِ مُطابَقَتُهُ لِلْوَاقِعِ وَكِذْبُه اى كِذْبُ الخَبرِ عَدَمُهَا اى عدمُ مُطابَقتِه لِلواقع .

ترجمہ: صدق خبر خبر کا واقع کے مطابق ہونا اور کذب خبر، خبر کا واقع کے مطابق نہ ہونا۔

(۱) مطلب لکھتے ہوئے بتائیے کہ واقع سے مصنف کی کیا مراد ہے، خبر صادق اور خبر کاذب کی تعریف کے بارے میں نظام معتزلی اور جاحظ کا قول اور ان کی دلیل لکھئے، جمہور کی طرف سے ان کی دلیل کا جواب تحریر کیجئے۔

(۱) مذکورہ عبارت میں مصنف نے صدق خبر کی تعریف بیان کی ہے فرماتے ہیں اگر خبر واقع کے مطابق ہو تو صدق ہے جیسے کسی نے خبر دی "زید قائم" اور زید خارج میں کھڑا ہے تو یہ خبر صادق ہوگی، اور کذب خبر، خبر کا واقع کے مطابق نہ ہونا جیسے کسی نے خبر دی "زید قائمٌ" اور زید خارج میں کھڑا نہیں ہے تو یہ کذب ہوگا، واقع سے مراد یہاں خارج ہے۔

خبر کے صدق و کذب کے سلسلہ میں نظام معتزلی کہتے ہیں کہ اگر خبر مخبر کے اعتقاد کے مطابق ہے تو صدق ہے خواہ اعتقاد غلط ہی کیوں نہ ہو اور اگر خبر مخبر کے اعتقاد کے خلاف ہے تو کذب ہے خواہ خبر صادق ہی کیوں نہ ہو، جیسے کوئی کہے "السماء تحتنا" اور اس کا اعتقاد یہ ہے کہ آسمان نیچے ہے تو خبر صادق ہوگی اور کوئی کہے کہ "السماء فوقنا" اور آسمان کے اوپر ہونے کا اعتقاد نہ رکھے تو کذب ہے۔

علامہ جاحظ کہتے ہیں کہ خبر واقع کے مطابق بھی ہو اور مخبر اعتقاد بھی رکھے خبر واقع کے مطابق ہے تو یہ صدق ہوگا، کذب خبر یہ ہے خبر واقع کے مطابق نہ ہو اور مخبر اعتقاد رکھے کہ خبر واقع کے مطابق نہیں ہے۔

نظام صاحب کی دلیل: اذا جاءک المنفقون قالوا الخ اللہ تعالی نے ان کے قول "انک لرسول اللہ" میں ان کو جھوٹا قرار دیا ہے حالانکہ یہ واقع کے مطابق ہے لیکن چونکہ ان کا اعتقاد اس کے مطابق نہیں تھا اس لیے ان کو جھوٹا قرار دیا، معلوم ہوا صدق وکذب کا مدار اعتقاد کے مطابق ہونے یا نہ ہونے میں ہے۔

جمہور اس کا جواب دیتے ہیں کہ اللہ تعالی نے ان کو اس خبر کے شہادت نام رکھنے میں جھوٹا قرار دیا ہے اس لیے کہ شہادت اسے کہتے ہیں جو اعتقاد اور دل کے موافق ہو یہ خیال ان کے اعتقاد کے موافق نہیں تھا۔

علامہ جاحظ کی دلیل افتری علی اللہ الخ مذکورہ آیت مبارکہ میں "أم به جنة" افتری علی اللہ " کی قسیم ہے، اور قسیم آپس میں مغایر ہوتی ہے، لہذا جب "افتری علی اللہ کذباً" سے مراد کذب ہے تو یہ غیر کذب ہوگی، اور یہ "ام به جنة "غیر صدق بھی ہے، اس لیے کہ کفار آپ کے سچا ہونے کا اعتقاد نہیں کرتے تھے۔

جواب یہ ہے کہ "ام به جنة" "ام لم یفتری" کے معنی میں ہے، لہذا یہ افتری کی قسیم ہوگی، اور افتری سے مر دعمداً کذب ہے، لہذا یہاں غیر عمد کذب مراد ہوگا۔

نوٹ: علامہ جاحظ نے خبر کے صدق وکذب کے درمیان واسطہ ثابت کیا ہے جن میں نہ صدق پایا جاتا ہے نہ کذب او اس کی چار صورتیں ہیں (۱) خبر واقع کے مطاق ہو مخبر کے اعتقاد کے مطابق نہ ہو (۲) خبر واقع کے مطابق ہو مخبر کا اعتقاد بالکل نہ ہو نہ وقوع کا نہ عدم وقوع کا (۳) خبر واقع کے مطابق نہ ہو اور مخبر کے اعتقاد کے مطابق ہو (۴) خبر واقع کے مطابق نہ ہو اور مخبر کا اعتقاد بالکل نہ ہو۔

## سوال: ۲۳/ص: ۴۵

وَقَدْ يُنَزَّلُ الْمُخَاطَبُ الْعَالِمُ بِهَا أي بِفَائِدَةِ الْخَبَرِ ولاَ زِمِهَا مَنْزِلَةَ الْجَاهِلِ فَيُلْقَى اِلَيْهِ الْخَبَرُ إن كَانَ عَالِماً بِالفائد تَيْنِ لِعَدَمِ جَرِيِهِ على موجَبِ العِلْمِ فإنَّ مَنْ لاَيَجْرِیْ على مقتضى عِلْمِهِ هو والجاهلُ سواءٌ.

ترجمہ: کبھی فائدۃ الخبر اور لازم فائدۃ الخبر کے جاننے والے مخاطب کو جاہل کے درجہ میں اتار لیا جاتا ہے، اور اس کی طرف خبر پیش کی جائے گی اگر چہ دونوں فائدوں کو جاننے والا ہو، اس کے علم کے موجب پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے کیوں کہ جو اپنے علم کے مقتضیٰ پر عمل نہیں کرتا وہ اور جاہل برابر ہیں۔

(۱) فائدۃ الخبر اور لازم فائدۃ الخبر کی مثال سے وضاحت کریں، (۲) نیز عبارت میں مذکورہ ضابطہ کی وجہ ا رمثال بھی تحریر کریں۔

(۱) مصنفؒ فرماتے ہیں کہ فائدۃ الخبر کہتے ہیں کہ اگر مخبر اپنی خبر کے ذریعہ مخاطب

کوکسی حکم کا فائدہ پہنچائے تو وہ **فائدة الخبر** ہے، جیسے ''**زید قائم**'' اس شخص سے جس کو زید کے کھڑے ہونے کا علم نہیں ہے، **لازم فائدة الخبر** اگر مخبر کا ارادہ اپنی خبر سے مخاطب کو یہ بتلانا مقصود ہو کہ متکلم بھی اس خبر سے واقف ہے جیسا کہ حافظ قرآن سے کہیں ''**قد حفظت القرآن**''

فائدۃ الخبر کے لیے لازم فائدۃ الخبر لازم ہے، لیکن لازم فائدۃ الخبر کے لیے فائدۃ الخبر لازم نہیں ہے، جیسے ''**زید قائم**'' اس شخص سے کہیں جس کو زید کے کھڑے ہونے کا علم نہیں ہے جہاں مخاطب کو حکم کا فائدہ پہنچے گا، وہیں مخاطب کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ متکلم بھی زید کے قیام کو جانتا ہے لیکن اگر آپ **زید قائم** اس شخص سے کہیں جو زید کے قیام سے واقف ہے تو لازم فائدۃ الخبر تو حاصل ہو جائے گا، لیکن فائدۃ الخبر حاصل نہیں ہوگا۔

(۲) مذکورہ ضابطہ کی وجہ: مذکورہ عبارت میں ضابطہ یہ بیان کیا گیا کہ کبھی کبھی عالم کو جاہل کے درجہ میں اتار لیا جاتا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ عالم اپنے علم کے مقتضی پر عمل نہیں کرتا۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی فائدۃ الخبر، لازم فائدۃ الخبر کو جانتا ہے لیکن علم کے مقتضی پر عمل نہیں کرتا تو اس کو جاہل کے درجہ میں اتار کر اس کے سامنے خبر پیش کی جاتی ہے کیوں کہ اپنے علم کے مقتضی پر عمل نہ کرنے والا اور جاہل برابر ہوتے ہیں جیسے آپ کہیں ''**الصلوة واجبة**'' اس شخص سے جس نے نماز چھوڑ دی ہو، حالانکہ وہ جانتا ہے کہ نماز فرض ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

## سوال: ۲۴ رص: ۴۶

**فَيَنۡبَغِي أَنۡ يَقۡتَصِرَ مِنَ التَّرۡكِيۡبِ عَلٰى قَدۡرِ الۡحَاجَةِ حَذَراً عَنِ اللَّغۡوِ فَإِن كَانَ الۡمُخَاطَبُ خَالِي الذِّهۡنِ مِنَ الۡحُكۡمِ وَالتَّرَدُّدِ فِيۡهِ اُسۡتُغۡنِيَ عَنۡ مُؤَكِّدَاتِ الۡحُكۡمِ، وإن كان متردداً فيه طالباً لَهُ حَسُنَ تَقۡوِيَتُهُ بِمُؤَكِّدٍ وَان كَانَ الۡمُخَاطَبُ مُنۡكِراً لِلۡحُكۡمِ وَجَبَ تَوۡكِيۡدُهُ بِحَسۡبِ الۡإِنۡكَارِ.**

**ترجمہ**: پس مناسب ہے ضرورت کے بقدر ترکیب پر اکتفاء کرے، لغو سے احتراز کرتے ہوئے لہذا اگر مخاطب حکم سے اور حکم میں شک کرنے سے خالی الذہن ہو تو حکم کو موکد کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر مخاطب حکم کے اندر تردد کرنے والا ہو اور حکم کا طلب گار ہو تو تاکید لانا اچھا ہے اور اگر مخاطب حکم کا منکر ہو تو تاکید لانا انکار کے اعتبار سے واجب ہے۔

**(۱)** کلام کے تینوں اقسام کی وضاحت کرتے ہوئے ہر ایک کا نام ومثال لکھیں خاص طور پر **بحسب الانکار** کی وضاحت اور مثال لکھیں۔

مخاطب کے اعتبار سے کلام کی تین قسمیں نکلتی ہیں مصنف فرماتے ہیں کلام کو جتنی مقدار میں لانے کی ضرورت ہو اسی مقدار میں کلام لایا جائے گا۔

چنانچہ پہلی قسم یہ ہے کہ مخاطب کے ذہن میں نہ نسبت کے وقوع کا علم اور نہ عدم وقوع کا علم ہو، اور نہ ہی وقوع نسبت اور عدم وقوع نسبت میں شک کرنے والا ہو، بلکہ مخاطب بالکل خالی الذہن ہو، اب مخاطب کے سامنے کلام بغیر تاکید کے پیش کیا جائے گا، جیسے "**زید قائم**" اس شخص کے سامنے کہا جائے گا جو زید کے قیام اور عدم قیام سے واقف نہیں ہے اور نہ اس میں شک کرنے والا ہے، بلکہ خالی الذہن ہے، اس قسم کا نام ابتدائی ہے، دوسری قسم مخاطب حکم میں شک کرنے والا ہو، اب کلام میں تاکید لانا بہتر اور اچھا ہے جیسے "**انّ زیدا قائم**" اس شخص کے سامنے کہا جائے جو زید کے قیام میں شک کرتا ہے اس قسم کو طلبی کہتے ہیں تیسری قسم مخاطب حکم کا انکار کرنے والا ہو، اب مخاطب کے سامنے کلام میں تاکید لانا واجب اور ضروری ہے جیسا کہ "**إن زیداً لقائم**" اس میں إن اور لام دونوں تاکید کے لیے آئے ہیں یہ کلام اس شخص کے سامنے پیش کیا جائے گا جو زید کے قیام کا منکر ہو اس قسم کا نام انکاری ہے۔

بحسب الانکار کا مطلب یہ ہے کہ اگر مخاطب حکم کا زیادہ شدت کے ساتھ انکار نہیں کر رہا ہے بلکہ خفیف انکار کر رہا ہے تو ایک تاکید لائی جائے گی جیسا کہ جب عیسی علیہ السلام کے قاصد پہلی مرتبہ جھٹلائے گئے تھے "**إنا الیکم مرسلون**" کہا تھا، اور اگر مخاطب کا انکار

شدید ہے تو جتنی شدت ہوگی اتنی ہی تاکید لائی جائے گی جیسا کہ حضرت عیسی علیہ السلام کے قاصدوں نے دوسری مرتبہ "ربنا إنا اليكم لمرسلون" کہا تھا اس مثال میں چار تاکیدیں ہیں (۱) ربنا جو کہ حکماً قسم ہے (۲) إن (۳) لمرسلون میں لام تاکید (۴) جملہ اسمیہ ہونا۔

## سوال: ۲۵ / ص: ۴۷

**وَيُسَمَّى الضَّرْبُ الاوَّلُ إبْتِدَائِيًّا وَ الثَّانِيْ طَلَبِيًّا و الثالثُ إنكارِيًّا وَيُسَمَّى إخراجُ الكلامِ عليها أي على الوُجوهِ المَذْكورَةِ وهي الخُلُوُّ عن التَّاكِيْدِ فِي الاوَّلِ والتقويةُ بموكّدٍ إستحساناً في الثانيِ ووُجوبُ التاكيدِ بِحسَبِ الإنْكارِ فِي الثالثِ إخراجاً علىٰ مُقتضىٰ الظَّاهِرِ.**

**ترجمہ:** پہلی قسم کو ابتدائی دوسری قسم کو طلبی تیسری قسم کو انکاری کہا جاتا ہے اور کلام کو مذکورہ طریقہ پر لانے کا نام مقتضی ظاہر پر لانا کہا جاتا ہے اول میں تاکید سے خالی کرنا، اور دوسرے میں تاکید سے استحساناً مؤکد کرنا، اور تیسرے میں انکار کے اعتبار سے تاکید کا واجب ہونا ہے۔

(۱) ضرب اول، ثانی، ثالث کی مراد متعین کیجئے اور ہر قسم کی مثال بھی پیش کیجئے مقتضی ظاہر اور حال میں کیا نسبت ہے؟۔

(۱) اس سے قبل مصنف نے مخاطب کے اعتبار سے کلام کی تین قسمیں کی تھیں اب ہر ایک کا نام بتلا رہے ہیں پہلی قسم ابتدائی ہے اس سے مراد وہ کلام ہے جہاں مخاطب خالی الذہن ہو نہ متردد ہو حکم کے اندر نہ حکم کا انکار کرنے والا ہو تو خبر بغیر تاکید کے بیان کی جائے گی جیسے "زید قائم".

دوسری قسم طلبی ہے اس سے مراد وہ کلام ہے جہاں مخاطب حکم کے اندر تردد کرنے والا ہو تو خبر کو تاکید کے ساتھ لانا بہتر ہے جیسے "إن زیداً قائم".

تیسری قسم انکاری ہے اس سے مراد وہ کلام ہے جہاں مخاطب کے انکار کے اعتبار سے

تاکید کالانا واجب ہے جیسے اللہ تعالی کا فرمان ہے "إنا إليكم لمرسلون" اگر کلام ان طریقوں میں سے کسی طریقہ پر آرہا ہے تو کلام مقتضی ظاہر کے مطابق ہوگا، مقتضی ظاہر اور مقتضی حال میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے مقتضی ظاہر خاص مقتضی حال عام ہے۔

## سوال: ۲۶/ص: ۴۸

وكثيراً مَا يَخرجُ الكلامُ على خِلافِهِ أي خِلافِ مُقتضى الظاهِرِ فَيُجعَلُ غيرُ السائلِ كالسَّائِلِ إذا قُدِّمَ إليهِ ما يَلُوحُ أي مايُشِيرُ له بالخَبَرِ فَيَستَشرِفُ غَيرُ السائلِ له استِشرَافَ الطّالبِ المُترَدِّدِ نحو "ولا تخاطِبنِي في الذين ظلموا إنهم مغرقون."

**ترجمہ** : اور بسا اوقات کلام مقتضاء ظاہر کے خلاف لایا جاتا ہے پس غیر سائل کو سائل کے درجہ میں اتار لیا جاتا ہے، جب کہ غیر سائل کے سامنے وہ چیز پیش کی جائے جو خبر کی طرف اشارہ کررہی ہے، پس غیر سائل اس خبر کا انتظار کرنے لگے شک کرنے والا طلب کرنے والے کے انتظار کرنے کی طرح، جیسے اللہ تعالی کا قول "ولا تخاطبني في الذين ظلموا انهم مغرقون"

(۱) مطلب بیان کیجئے (۲) استشراف کے معنی لکھئے (۳) آیت میں محل استشہاد متعین کریں۔

مذکورہ عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اصل کلام کے اندر کلام کو مقتضی حال کے مطابق لانا ہے لیکن کبھی کبھی کلام کو مقتضی ظاہر کے خلاف لایا جاتا ہے من جملہ انہیں میں سے ایک جگہ یہ ہے کہ کوئی شخص خبر کا سوال نہ کرنے والا ہو، اس کا تقاضہ یہ ہے کہ کلام بغیر تاکید کے پیش کیا جائے، لیکن اس کو سائل کے درجہ میں اس وقت اتارتے ہیں جب غیر سائل کے سامنے ایسا کلام پیش کیا جائے جو کسی خبر کے وقوع کو بتلا رہا ہو پس غیر سائل اس خبر کا انتظار کرنے لگے، جیسے اللہ تعالی کا ارشاد ہے "ولا تخاطبني في الذين ظلموا" اس سے یہ معلوم ہوا کہ کفار پر عذاب آنے والا ہے اسی لیے اللہ تعالی نے حضرت نوحؑ سے عذاب کو ہٹانے کے سلسلہ میں دعاء کرنے سے

منع کر دیا، اب یہاں پر شک پیدا ہوا کہ کیا لوگ غرق ہوں گے یا نہیں ہوں گے، پس کہا گیا، " انهم مغرقون " کہ بلا شبہ وہ لوگ غرق ہوں گے۔

(۲) استشراف کے معنی مطلق دیکھنے کے نہیں آتے بلکہ استشراف اس وقت کہیں گے جب کوئی شخص اپنا سر اٹھا کر ہتھیلی بھوؤں پر رکھ کر دیکھے جیسا کہ سورج کی شعاؤں سے بچنے والا دیکھتا ہے۔

(۳) مذکورہ آیت میں محل استشہاد "انهم مغروقون" ہے اس میں انَّ کے ذریعہ تاکید لائی گئی ہے۔

## سوال: ۲۷/ص: ۴۹

وَيُجعَلُ غَيرُ المُنكِرِ كَالْمُنكِرِ إذَا لاَحَ عَلَيهِ شَئى مِنْ أَمَارَاتِ الإِنْكَارِ نحو شعر "جَاء شَقِيقٌ عارِضًا رُمحَهُ، إنّ بنى عمّك فِيهم رِماحٌ ، وفِى البَيْتِ على ماأَشَار إليه الامامُ المَرزُوقِىُّ تَهكُّمٌ واستِهزاءٌ.

**ترجمہ** : اور غیر منکر کو منکر کے درجہ میں اتار لیا جاتا ہے جب کہ اس پر انکار کی علامت میں سے کچھ ظاہر ہو جائے، جیسا کہ شعر: شقیق اپنے نیزہ کو چوڑائی میں رکھ کر آیا، بلا شبہ تیرے چچا زاد بھائیوں کے پاس نیزے ہیں، اور شعر کے اندر تحکم اور استہزاء ہے ،جیسا کہ امام مرزوقی نے اشارہ کیا ہے۔

(۱) عبارت کی تشریح کیجئے (۲) تہکم و استہزاء کس طرح ہے اس کو سمجھائیے

(۱) اس سے پہلے مصنفؒ کلام کو مقتضی حال کے مطابق لانے کو بیان کر رہے تھے، اب کچھ صورتیں مقتضائے حال کے خلاف لانے کی بیان کر رہے ہیں، ان میں سے یہ بھی ہے کہ اگر کسی شخص پر انکار کی کوئی علامت پائی جائے اور انکار کی کوئی نشانی اس کے اندر موجود ہو، خواہ وہ انکار نہ کر رہا ہو، لیکن اس کو منکر کے درجہ میں اتار لیا جاتا ہے اور کلام کو اس کے سامنے تاکید کے ساتھ وجوباً پیش کیا جاتا ہے جیسا کہ شعر میں شقیق اگر چہ اپنے چچا زاد بھائیوں کے پاس نیزے ہونے کا انکار نہیں کر رہا ہے لیکن اس کا نیزے کو چوڑائی میں رکھ کر

آنا، اس بات کی علامت ہے کہ وہ اپنے چچازاد بھائیوں کے پاس نیزے ہونے کا منکر ہے پس کلام کو اِنَّ کے ساتھ لایا گیا۔

(۲) مذکورہ شعر میں استہزاء اس طرح ہے کہ شاعر کہہ رہا ہے اگر شقیق کو معلوم ہوجائے کہ ان کے پاس نیزے ہیں تو ان سے جنگ کے لیے نہ جاتا اور اپنے ہاتھوں میں تلوار نہ اٹھاتا گویا کہ شاعر شعر میں بزدلی کی طرف اشارہ کررہا ہے۔

## سوال: ۲۸ / ص: ۵۱

**ثُمَّ الإسْنَادُ مُطلَقًا سواءٌ كَانَ إنشائيًا أو اخبارِيًّا مِنْهُ حقيقةٌ عقليةٌ وَهِيَ إسنادُ الفِعْلِ أو مَعناهُ الى ماهو لهٗ عند المُتكلّم في الظاهر .**

**ترجمہ**: اسناد مطلقا خواہ انشائی ہو یا خبری ہو ان میں سے حقیقت عقلیہ ہے فعل یا معنی فعل کی اس چیز کی طرف اسناد کرنا ہے جس کے لیے فعل یا معنی فعل ہے متکلم کے نزدیک ظاہر حال میں۔

(ا) مطلب لکھتے ہوئے حقیقت عقلیہ کی تعریف کر کے اس کی چاروں قسمیں مع مثال تحریر کریں۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(ا) یہاں مصنفؒ مطلق اسناد کی تقسیم کررہے ہیں نہ کہ اسناد خبری کی، اسناد کی دو قسمیں ہیں انشائی اور خبری، پھر ان دونوں کی دو قسمیں ہیں حقیقت عقلیہ، مجاز عقلی۔

حقیقت عقلیہ کہتے ہیں فعل یا معنی فعل کی اس چیز کی طرف نسبت کرنا جس کے لیے فعل یا معنی فعل ثابت ہو، یعنی فعل معروف میں فاعل کے لیے فعل مجہول میں مفعول کے لیے متکلم کے نزدیک اس کے ظاہر حال میں یعنی فعل یا معنی فعل متکلم کے اعتقاد میں ثابت ہو اور متکلم کے ظاہر حال سے یہ بات سمجھ میں آرہی ہو اس نے فعل یا معنی فعل کو ماھو لہ کی طرف منسوب کیا ہے، اور فعل یا معنی فعل کو غیر ماھو لہ کی طرف منسوب نہیں کیا ہے۔

پھر مصنفؒ نے یہاں " إما حقيقة عقلية " نہیں کہا اس لیے کہ بعض اسناد نہ حقیقت عقلیہ ہوتی ہیں نہ مجاز عقلی اور إمّا کے کہنے سے ان دونوں کے اندر اسناد محصور ہوجاتی ہے۔

حقیقت عقلیہ کی چار قسمیں ہیں (۱) اسناد واقع اور اعتقاد دونوں کے مطابق ہو جیسے مومن کا قول انبت اللّٰہ البقل (۱) صرف اعتقاد کے مطابق ہو واقع کے مطابق نہ ہو جیسے کافر کا قول انبت الربیع البقل (۳) صرف واقع کے مطابق ہو اعتقاد کے مطابق نہ ہو جیسے معتزلی کا قول خلق اللہ الافعال کلھا (۴) نہ اعتقاد کے مطابق ہو نہ کہ واقع کے مطابق ہو جیسے آپ کہیں زید آیا اور آپ جانتے ہیں کہ زید نہیں آیا۔

## سوال:۲۹/ص:۵۵

وَيَنْبَغِي أن يُعلَمَ أن المَجازَ العَقْلِيَّ يَجْرِيْ في النِسْبةِ الغَيْرِ الإسناديَّةِ أيضًا مِنَ الإضافِيَّةِ والايقاعيَّةِ نحو أَعْجَبَنِيْ إنباتُ الرَبِيْعِ وجَرْيُ الأَنْهارِ وقال اللّٰه تعالى وإنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا ومَكْرُ اللَّيْلِ والنَّهَارِ نَحْوُ نَوَّمْتُ اللَّيْلَ واجرَيْتُ النَهْرَ.

**ترجمہ**: جان لینا چاہیے کہ مجاز عقلی جاری ہوتی ہے نسبت غیر اسنادیہ، اضافیہ اور ایقاعیہ میں بھی، جیسے اعجبنی انبات الربیع، وجری الانہار، وقال اللّٰہ تعالی وإن خفتم شقاق بینھما الخ، ومکر اللیل والنھار جیسے نومت اللیل واجریت النھر۔

(۱) نسبت اضافیہ، ایقاعیہ کی تعریف کرتے ہوئے بتلائیے کہ مصنفؒ مذکورہ عبارت میں کیا کہنا چاہتے ہیں اور مثال کو ممثل لہ پر منطبق کیجیے۔

(۱) نسبت اضافی جس میں ایک چیز کی اضافت دوسری چیز کی طرف کی جائے، نسبت ایقاعی جس میں ایک چیز کو دوسری چیز پر واقع کیا جائے۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ مجاز عقلی جس طرح نسبت اسنادیہ میں جاری ہوتی ہے اسی طرح مجاز عقلی نسبت غیر اسنادیہ میں پائی جاتی ہے خواہ نسبت غیر اسنادیہ اضافیہ ہو یا ایقاعیہ، جیسے "اعجبنی انبات الربیع" یہ مثال نسبت اضافیہ کی ہے اس میں نسبت ظرف زمان کی طرف کی جارہی ہے اسی طرح "وجری الانہار" یہ مثال نسبت اضافیہ کی ہے اس میں

نسبت مکان کی طرف ہورہی ہے، اصلاعبارت ہے"جری الماء فی الانہار" اسی طرح وان خفتم شقاق الخ یہ مثال بھی نسبت اضافیہ کی ہے کیوں کہ اس میں نسبت "بین" اسم مکان کی طرف ہورہی ہے اصل عبارت ہے "وان خفتم شقاق زوجین ""مکر اللیل والنہار "نسبت اضافیہ میں سے ہے اس میں نسبت ظرف زمان کی طرف ہورہی ہے اصل عبارت ہے " مکر الناس فی اللیل والنہار ، "نومت اللیل" یہ مثال نسبت ایقاعیہ کی ہے اصل عبارت ہے "نومت الابن فی اللیل" واجریت النہر یہ مثال نسبت ایقاعیہ کی ہے اصل عبارت ہے"واجریت الماء فی الانہار "

## سوال: ۳۰/ص: ۵۵

عیشةٌ راضیةٌ فیما بُنِیَ للفَاعِلِ واُسْنِدَ الی المفعولِ بِهِ وسَیْلٌ مُفْعَمٌ فِیْمَا بُنِیَ للمفعول واُسْنِدَ الی الفَاعِلِ وشعر شاعر فی المصَدرِ ونهارُه صَائِمٌ فِیْ الزَّمَانِ ونَهْرٌ جَارٍ فِی المَکَانِ وَبنی الأمِیْرُ المَدینةَ فِی السَّبَبِ .

**ترجمه** : (ان کا قول) عیشة راضیة فعل معروف کے اندراس کی اسناد مفعول بہ کی طرف کی گئی اور سیل مفعم فعل مجہول کے اندراس کی اسناد کی گئی ہے فاعل کی طرف، اور"شعر شاعر"مصدر کے اندراور "نہارہ صائم "زمانہ کے اندراور "نہر جار"مکان کے اندراور "بنی الامیر المدینة"سبب کے اندر۔

(ا) مذکورہ مثالوں کو ممثل لہ پر واضح طور پر منطبق کیجیے۔

(ا) یہاں سے مصنف" مجاز عقلی کی کچھ مثالیں ذکر کررہے ہیں ، پہلی مثال عیشة الراضیة ہے راضیہ اسم فاعل ہے اور اسم فاعل فعل معروف کے حکم میں ہوتا ہے اور فعل معروف کی اسناد فاعل کی طرف ہونی چاہیے ، حالانکہ یہاں اسناد مفعول کی طرف ہورہی ہے اس لیے کہ عیش مرضیہ ہوتی ہے جو کہ مفعول بہ بھی ہے اور صاحب عیش راضی ہوتا ہے دوسری مثال "سیل مفعم ہے اور مفعم اسم مفعول ہے اور اسم مفعول فعل مجہول کے درجہ میں ہوتا ہے اور فعل مجہول کی اسناد مفعول بہ کی طرف ہونی چاہیے، اور یہاں اسناد فاعل کی طرف

ہورہی ہے، اس لیے کہ سیلاب بھرتا ہے نہ کہ اس کو بھرا جاتا ہے تیسری مثال ”شعر شاعر“ یہاں شاعر اسم فاعل ہے اس کی اسناد فاعل کی طرف ہونی چاہے کیوں کہ اسم فاعل فعل معروف کے حکم ہوتا ہے لیکن یہاں اسناد شعر کی طرف ہورہی ہے جو کہ مصدر ہے، اسی طرح ”نهاره صائم“ یہاں صائم کی اسناد نہار کی طرف ہورہی ہے جو کہ ظرف زمان ہے حالانکہ صائم کی اسناد فاعل کی طرف ہونی چاہیے کیوں کہ انسان روزہ سے ہوتا ہے نہ کہ دن روزہ سے ہوتا ہے۔

پانچویں مثال ”نهر جار“ یہاں ”جار“ کی اسناد نہر کی طرف ہورہی ہے جو کہ ظرف مکان ہے حالانکہ جار کی اسناد فاعل کی طرف ہونی چاہیے کیوں کہ پانی نہر میں جاری ہوتا ہے، نہ کہ نہر جاری ہوتی ہے۔

چھٹی مثال ”بنى الأمِيرُ المدينةَ“ یہاں بناء کی نسبت امیر کی طرف کی گئی ہے حالانکہ امیر نہیں بناتا ہے بلکہ امیر آمر ہوتا ہے اور آمر ہونے کی وجہ سے سبب بنا پس یہاں اسناد سبب کی طرف ہوئی۔

ان تمام مثالوں کے اندر اسناد غیر ماہولہ کی طرف ہورہی ہے جیسا کہ ہم نے تفصیل سے بیان کردیا پس یہ تمام مثالیں مجاز عقلی کی ہوں گی اس لیے کہ مجاز عقلی کہتے ہیں فعل یا معنی فعل کی اسناد غیر ماہولہ کی طرف کی جائے قرینہ کے ساتھ۔

## سوال:۳۱/ص:۵٦

ولِهـذا أي ولأنَّ مِثلَ قَولِ الجَاهِلِ خَارِجٌ عَنِ المَجَازِ لِاشتراطِ التَاوُّلِ فِيهِ لم يُحمَلُ نحو قوله شعر أشابَ الصغيرَ وأفنى الكَبِيرَ كرُّ الغداةِ ومرُّ العَشِيِّ، علي المجازِ مَالم يعلمْ أو لم يَظُنَّ انّ قائلَهُ لم يَعْتَقِدْ لِاحْتِمالِ أن يَكُونَ هُو مُعتقداً للظَّاهِرِ.

**ترجمہ**: اور اسی وجہ سے کہ کافر کا قول مجاز سے خارج ہے اس لیے کہ مجاز کے اندر قرینہ شرط ہے تو محمول نہیں کیا جائے گا اس کے قول کو شعر (بچہ کو جوان کردیا بوڑھے کو فناء

کردیا رات ودن کے آنے جانے نے ) مجاز پر جب تک کہ معلوم نہ ہو جائے یا گمان نہ ہو جائے ، کہ اس کے کہنے والے نے ظاہر معنی مراد نہیں لیا ہے اس احتمال کی وجہ سے کہ وہ ظاہری معنی مراد لے رہا ہے۔

(۱) مطلب لکھتے ہوئے بتلایئے کہ شعر کے اندر اسناد مجازی ہے یا حقیقی ، مجازی پر محمول کرنے کی کیا شرط ہے،(۲)" انبت الربیع البقل" حقیقت عقلیہ کی مثال ہے یا مجاز عقلی کی۔

(۱) کسی کلام کو مجاز پر محمول کرنے کے لیے قرینہ ہونا شرط ہے اسی وجہ سے اگر کسی قرینہ سے یہ بات معلوم ہو جائے کہ شاعر اسناد حقیقی مراد نہیں لے رہا ہے اور اس کا اعتقاد اس کے مطابق نہیں ہے تو یہ مجاز عقلی ہو جائے گا جب تک کہ معلوم نہ ہو کہ شاعر نے ظاہری معنی مراد لیا ہے یا نہیں لیا ہے ہم اس کو مجاز پر محمول نہیں کریں گے کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ شاعر نے ظاہری معنی مراد لیا ہو تو یہ حقیقت عقلیہ بن جائے گی گویا یہ شعر مخاطب کے اعتقاد کے اعتبار سے حقیقی بھی بن سکتی ہے اور مجاز بھی بن سکتی ہے۔

(۲) اگر فاعل انبت الربیع البقل میں ظاہر اسناد مراد لے تو یہ حقیقت عقلیہ ہو جائے گی اور اگر ظاہر اسناد مراد نہ لے تو مجاز عقلیہ ہو جائے گی۔

## سوال:۳۲/ص:۵۸

وھو ای المجازُ العقليُّ فی القرآنِ كثيرٌ واذا تليت عليهم آياتُهُ زَادَتْهُمْ ايمانًا يُذَبِّحُ أبنائهُم يَنْزِعُ عنها لِباسَهُما يوما يجعلُ الوِلدان شِيبا وأخرجتِ الأرضُ أثقالَهَا .

ترجمہ: مجاز عقلی قرآن پاک میں بہت زیادہ ہیں، جیسے واذا تليت عليهم الخ ، يذبح ابنائهم ، وينزع عنهاالخ ، يوما يجعل الولدان شيبا ،واخرجت الارض الخ.

(۱) تمام مثالوں میں مجاز عقلی کی وضاحت کیجئے (۲) بتایئے کہ فی القرآن کو کثیر پر

کیوں مقدم کیا گیا (۳) قرآن کریم میں کیا مجاز عقلی زیادہ اور حقیقت عقلیہ کم ہے۔

(۱) واذا تلیت علیہم الخ میں زیادتی ایمان کی نسبت آیت کی طرف کردی گئی ہے حالانکہ ایمان کو زیادہ کرنے والے اللہ تعالی ہیں، لیکن چونکہ آیت سبب بنتی ہے اس لیے اس کی طرف نسبت کردی گئی ہے۔

دوسری مثال: "یذبح ابنائھم" میں بنی اسرائیل کے لڑکوں کو ذبح کرنے کی نسبت فرعون کی طرف کی گئی ہے، حالانکہ ذبح لشکر کرتا ہے؛ لیکن چونکہ فرعون آمر تھا اس لیے اس کی طرف نسبت کردی گئی۔

تیسری مثال: "ینزع عنھما لباسھما" میں لباس اتارنے کی نسبت شیطان کی طرف کردی گئی ہے حالانکہ اللہ تعالی کا فعل ہے لیکن چونکہ شیطان نے وسوسہ ڈال کر درخت کھلا دیا تھا اور درخت کھانے کی وجہ سے لباس اترا تھا اس لیے اس کی طرف نسبت کردی گئی۔

چوتھی مثال: "یوما یجعل الولدان شیبا" میں لڑکوں کے بوڑھا ہونے کی اسناد دن کی طرف کی گئی ہے حالاں کہ یہ کام اللہ کا ہے تو یہ بھی مجاز عقلی ہوگی، اس لیے کہ اس میں نسبت زمانہ کی طرف ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

اسی طرح "واخرجت الارض أثقالھا" میں بوجھ نکالنے کی نسبت زمین کی طرف کی گئی ہے حالانکہ یہ کام اللہ کا ہے لیکن چونکہ زمین مکان تھی اس لیے اس کی طرف نسبت کردی گئی ہے۔

(۲) پھر قرآن کو کثیر پر مقدم کیا ہے قرآن کے مہتم بالشان ہونے کی وجہ سے۔

(۳) قرآن کریم میں اصل حقیقت عقلیہ زیادہ ہیں، مجاز عقلی کم ہیں لیکن جو مصنف نے یہاں زیادہ کہا ہے وہ فی نفسہ کہا ہے حقیقت عقلیہ کے اعتبار سے نہیں کہا ہے۔

## سوال: ۳۳ ص: ۶۰

وَلابُدَّ لَهُ أي لِلْمَجَازِ الْعَقْلِيِّ مِن قَرِينَةٍ لَفظيةٍ كَما مَرَّ فِيْ قَولِ أبِي

النجمِ مِن قَولِهِ أفناهُ قِيلُ اللهِ أو مَعْنَوِيَّةٍ كَاسْتِحالَةِ قِيامِ المُسْنَدِ بِالمَذْكُورِ عقلاً كقولِك مَحبَّتُك جاءَتْ بِيْ إليك او عادةً نحو هزم الأميرُ الجندَ.

(۱) مذکورہ عبارت کی تشریح کیجئے، بعدہ ترجمہ کیجئے۔

(۱) مذکورہ عبارت میں مصنفؒ نے قرینہ کی وضاحت کی ہے حاصل بحث یہ ہے کہ مجاز عقلی کے لیے قرینہ کا ہونا ضروری ہے جس سے معلوم ہو جائے کہ متکلم نے ظاہر اسناد مراد نہیں لی ہے، اب قرینہ خواہ لفظیہ ہو یعنی کوئی لفظ آجائے جس سے معلوم ہو جائے کہ متکلم نے ظاہر اسناد مراد نہیں لی ہے جیسا کہ گذشتہ شعر کے اندر "افناه قيل الله" اس سے معلوم ہو گیا کہ "جذب الليالي" کی اسناد میزعنہ کی طرف حقیقی اسناد نہیں ہے یا قرینہ معنویہ ہو یعنی جیسا کہ مسند کا قیام مسند الیہ کے ساتھ عقلاً محال ہو جیسا کہ "محبتک جاء ت بی الیک" ظاہری بات ہے کہ محبت کسی آدمی کو لا نہیں سکتی اس سے معلوم ہو جائے گا کہ مجاز عقلی ہے اصل عبارت ہے "نفسی جاء ت بی لیک لاجل المحبة" یا مسند کا قیام مسند الیہ کے ساتھ عادۃً محال ہو، جیسے "هزم الامير الجند" یہ عادۃً محال ہے کہ امیر تنہاء پورے لشکر کو شکست دے دے، لہذا یہ محال ہونا قرینہ ہے اس بات کا کہ یہاں ظاہر اسناد مراد نہیں ہے۔

ترجمہ: مجاز عقلی کے لیے ضروری ہے قرینہ، خواہ لفظیہ ہو جیسا کہ گذر گیا وہ ابوالنجم کا قول افناہ قیل اللہ میں یا معنویہ ہو جیسا کہ مسند کا قیام مسند الیہ کے ساتھ عقلاً محال ہو جیسے تیری محبت مجھے تیرے پاس لے آئی۔

## سوال: ۳۴رص: ۶۱

وَمعرفةُ حقيقتِهِ (المجاز العقلي) أي معرفةُ فاعلِهِ أو مفعولِهِ الذي إذا أُسنِدَ إليه يكونُ الإسنادُ حقيقةً امّا ظاهرةً كما في قولِهِ تعالى فما ربحتْ تجارتُهم وإمّا خفيّةً كما في قولِك سرَّتني رُؤيتُك وفي هذا تعريضٌ بالشيخِ عبدِالقاهرِ وردٌّ عليه حيثُ زعم انه لايجبُ في المجازِ العقليِّ أنْ

يكون للفعلِ فاعِلٌ يكون الإسنادُ إلَيه حقيقةً.

ترجمہ: اور مجازِ عقلی کی حقیقت کو جاننا یعنی اس فاعل اور مفعول کو جاننا جب اس کی طرف اسناد کی جائے تو اسناد حقیقی ہو فاعل ،مفعول کو جاننا یا تو ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ اللہ کا قول **فما ربحت تجارتهم** میں، یا پوشیدہ ہوتا ہے جیسا کہ تمہارا قول **سرتني رؤيتك** میں اس میں شیخ عبدالقاہرؒ پر چوٹ ہے، ان پر رد کیا گیا اس طور پر کہ انہوں نے گمان کیا کہ مجاز عقلی میں ضروری نہیں ہے کہ فعل کے لیے کوئی فاعل ہو جس کی طرف اسناد حقیقی ہو۔

**(ا) مذکورہ عبارت کی تشریح کرتے ہوئے مثالوں میں فاعل حقیقی کی تعیین کریں اور فخر الدین الرازیؒ کا اعتراض لکھیں، نیز یہ بھی تحریر کریں کی شارح کا رجحان کس کی طرف ہے اور کیوں۔**

(ا) مذکورہ عبارت میں مصنفؒ نے فرمایا کہ مجاز عقلی کے اندر فعل یا معنی فعل کی اسناد اگر چہ غیر ماہولہ کی طرف ہوتی ہے؛ لیکن اس فعل یا معنی فعل کا ایک ماہولہ بھی ہوتا ہے، جس کی طرف اسناد اگر کریں تو اسناد حقیقی ہوگی، پھر اس حقیقی فاعل یا مفعول کو جاننا کبھی تو واضح ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالی کا قول **فما ربحت تجارتهم** کے اندر اس میں نفع کی نسبت تجارت کی طرف کی گئی ہے جب کہ حقیقی فاعل نہیں ہے حقیقی فاعل، "**فما ربحوا في تجارتهم**" ہے اور اس کو سب لوگ جانتے ہیں یا اس حقیقی فاعل اور مفعول بہ کا جاننا پوشیدہ ہوگا جیسے **سرتني رؤيتك** کے اندر سرتنی کی اسناد "رویة" کی طرف کی گئی ہے حالانکہ اس کا حقیقی فاعل اللہ تعالی ہے اور اصل عبارت ہے **سرني الله تعالى عند رؤيتك** کیوں کہ اہل لغت اس کا حقیقی فاعل ظاہر نہیں کرتے ہیں اس لیے اس کے حقیقی فاعل کا جاننا مخفی ہے۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ مصنفؒ نے عبارت بالا سے شیخ عبدالقاہرؒ پر چوٹ کی ہے اور ان پر رد کیا ہے کیوں کہ شیخ کہتے ہیں ہر فعل کے لیے مجاز عقلی کے اندر ایسے فاعل کا ہونا ضروری نہیں ہے کہ اس کی طرف اسناد حقیقی ہو۔

امام فخر الدین رازیؒ اعتراض کرتے ہیں کہ شیخ عبد القاہرؒ پر کہ آپ نے کس طرح کہدیا کہ ہر فعل کے لیے فاعل کا ہونا ضروری نہیں ہے حالانکہ فعل کا صدور فاعل کے بغیر محال ہوتا ہے۔

شارحؒ کا رجحان شیخ عبد القاہر کے قول کی طرف ہے کیوں کہ وہ کہتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ جو باتیں انہوں نے ذکر کی ہیں وہ سب تکلفات ہیں، اور جو بات شیخ نے کہی وہ برحق ہے اس لیے کہ انہوں نے مذکورہ مثالوں میں فاعل حقیقی اللہ کو قرار دیا ہے حالانکہ فاعل کہتے ہیں جس کے ساتھ فعل قائم ہو سرور اور زیارت اللہ کے ساتھ قائم نہیں ہیں تو اللہ ان افعال کا فاعل بھی نہیں ہوسکتا تو یہ افعال بغیر فاعل کے رہے تو شیخ کی بات ثابت ہوگئی۔

## سوال: ۳۵/ص: ۶۵

وَلِاَنَّہ مَاذَھَبَ الیہ السَّکاکِیُّ یَنتقضُ بنحو نہارُہ صائمٌ ولیلُہٗ قَائمٌ وَمَا أشبہَ ذٰلک مِمَّا یَشتمِلُ علیٰ ذِکرِ الفاعلِ الحَقِیْقِی لِاشتمالِہٖ علی ذِکرِ طَرَفَیِ التَشبیہِ وَھو مَانِعٌ مِن حَملِ الکَلامِ علی الاستعارۃِ کما صرَّحَ بِہٖ السَّکاکِیُ وَالجوابُ أنَّہٗ إنَّما یَکُونُ مَا نِعاً إذا کَانَ ذِکرُھُمَا عَلَی وَجْہٍ یُنْبِئُ عَنِ التَّشبِیہِ بِدلیلِ أنہ جعل قَولَہٗ ... ع قد زُرَّ إزْرَارُہٗ علی القَمرِ مِن بَابِ الاستعارَۃِ مَع ذِکرِ الطَرَفَیْنِ .

**ترجمہ**: اور اس لیے جس کی طرف سکاکیؒ گئے ہیں سکاکیؒ کا مذہب ٹوٹ جاتا ہے **نہارہ صائم** ،**لیلہ قائم** اور اس جیسی مثالوں سے جو فاعل حقیقی کے ذکر پر مشتمل ہوتی ہے تشبیہ کے دونوں طرف کے ذکر پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اور وہ کلام کو استعارہ پر محمول کرنے سے مانع ہے جیسا کہ خود سکاکیؒ نے صراحت کی ہے جواب یہ ہے کہ تشبیہ کے دونوں طرف کا ہونا مانع اس وقت ہوتا ہے جب کہ ان دونوں کا ذکر ایسے طریقہ پر ہو جو تشبیہ کو بتلاتا ہو اس دلیل کے ساتھ کہ انہوں نے "**قد زر ازرارہ من القمر**" کو استعارہ کے باب سے قرار دیا ہے تشبیہ کے دونوں طرف ذکر ہونے کے باوجود۔

(۱) مطلب لکھتے ہوئے بتلائیں کہ عبارت مذکورہ سے سکاکیؒ کے کس قول کی تردید ہورہی ہے (۲) مشبہ اور مشبہ بہ کو علی وجہ التشبیہ ذکر کرنے کا کیا مطلب ہے (۳) اس مصرع مذکورہ سے کس چیز پر استدلال کیا گیا ہے۔

اس سے قبل مصنفؒ نے فرمایا تھا کہ سکاکیؒ نے مجاز عقلی کا انکار کیا ہے **انبت الربیع البقل** جیسی مثالوں کو استعارہ بالکنایہ مانا ہے اور استعارہ بالکنایہ ان کے نزدیک یہ ہے کہ مشبہ مذکور ہو اور مشبہ بہ مذکور نہ ہو، اب ان پر اشکال ہوتا ہے کہ بہت سی مثالیں ایسی ہیں جہاں مشبہ اور مشبہ بہ دونوں مذکور ہیں جیسے "**نهاره صائم**" "**نهاره**" مشبہ ہے جو کہ فاعل مجازی ہے اور ضمیر جو فاعل حقیقی ہے وہ مشبہ بہ ہے تو سکاکیؒ کے صراحت کے مطابق اس کو استعارہ بالکنایہ نہ ہونا چاہیے تھا، حالانکہ سکاکی اس کو استعارہ بالکنایہ پر محمول کرتے ہیں۔

سکاکیؒ کے قول کا جواب: شارحؒ فرماتے ہیں کہ مشبہ اومشبہ بہ دونوں کے ہونے سے استعارہ بالکنایہ سکاکی کے نزدیک اس وقت نہیں ہوتا ہے جب کہ تشبیہ کے معنی کا لحاظ کئے بغیر معنی درست نہ ہوتے ہوں، جیسے "**زید اسد**" یہاں پر تشبیہ کے معنی کا لحاظ کئے بغیر ترکیب درست نہیں ہوگی کیوں کہ خبر اور مبتدا دونوں متغایر ہیں اور اگر تشبیہ کے معنی کا لحاظ کئے بغیر معنی درست ہوجاتے ہیں تو وہاں استعارہ بالکنایہ پر محمول کرسکتے ہیں دلیل میں شاعر کا قول "**قد زر ازراره علی القمر**" ہے اس طور پر کہ "**قمر**" مشبہ بہ ہے اور "**ازراره**" کی ضمیر جس سے محبوب مراد ہے مشبہ ہے تو اس میں طرفین کے ذکر ہونے کے باوجود علامہ سکاکیؒ نے اس کو استعارہ بالکنایہ مانا ہے۔

(۲) مشبہ اور مشبہ بہ کو علی وجہ التشبیہ ذکر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تشبیہ کے معنی کی رعایت کے بغیر معنی درست نہ ہوتے ہوں جیسے "**زید اسد**"

مصرع مذکور کے اندر شارحؒ نے اس بات کا استدلال کیا ہے کہ طرفین کا ذکر ہونے کے باوجود علامہ سکاکیؒ نے استعارہ بالکنایہ پر محمول کیا ہے لہذا اگر طرفین کا ذکر علی وجہ التشبیہ نہ ہو تو استعارہ بالکنایہ پر محمول کرسکتے ہیں۔

## سوال:٣٦:٦/ص:٦٦

أمّا حَذفُهُ فَلِلاحتِرَازِ عَنِ العَبَثِ بناءً عَلَى الظَّاهِرِ أو تَخيِيلِ العُدُولِ إلى أقوى الدَلِيلَيْنِ مِن العَقْلِ وَاللفظِ أو اختبارِتَنَبُّهِ السَّامِعِ أو مِقدارِ تَنَبُّهِهِ .

**ترجمه**: بہر حال مسند الیہ کو حذف کرنا تو عبث سے بچنے کے لیے ہے ظاہر پر بناء کرتے ہوئے یا تو دو دلیلوں میں سے اقوی کی طرف عدول کا خیال ڈالنے کے لیے یعنی عقل اور لفظ میں سے یا سامع کی بیدار مغزی کو جاننے کے لیے یا اس کے بیدار مغزی کی مقدار کو پرکھنے کے لیے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(۱) مطلب لکھتے ہوئے مذکورہ وجوہ حذف کی مع مثال وضاحت کریں (۲) بتلائیں کہ احوال مسند الیہ میں حذف کو مقدم کیے جانے کی وجہ کیا ہے؟ (۳) اور بتائیں کہ یہاں مصنفؒ لفظ "**حذف**" لائے ہیں اور احوال مسند میں لفظ "**ترک**" لائے ہیں فرق کی وجہ؟

(۱) یہاں سے مصنفؒ مسند الیہ کے حذف کی وجوہات کو بیان کر رہے ہیں حذف کی پہلی وجہ یہ ہے کہ مسند الیہ پر کوئی قرینہ دلالت کرتا ہو اور قرینہ کی وجہ سے مخاطب کو مسند الیہ کا علم ہو جائے، پس عبث سے بچنے کے لیے مسند الیہ کو حذف کر دیتے ہیں جیسا کہ شعر: "**قال لی کیف انت قلت علیل**" دراصل یہاں "**انا علیل**" "مسند الیہ 'انا'" کو حذف کر دیا گیا ہے کیوں کہ سائل کا سوال اس بات پر قرینہ ہے کہ متکلم اپنی ہی خیر و خیریت بیان کر رہا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ متکلم سامع کے دل میں یہ خیال ڈالتا ہے کہ ہم نے مسند الیہ کو حذف کر کے دو دلیلوں میں سے اقوی دلیل کی طرف رجوع کیا ہے، اس طور پر کہ اگر مسند الیہ لفظوں میں موجود ہو تو مسند پر دلالت کرنے والا لفظ ہوتا ہے، اگر مسند الیہ لفظوں میں موجود نہ ہو تو مسند پر دلالت کرنے والی چیز عقل ہوتی ہے، اور عقل قوی دلیل ہے اس اعتبار سے کہ عقل دلالت کرنے میں لفظ کی محتاج نہیں ہوتی، اور لفظ دلالت کرنے میں عقل کا محتاج ہوتا ہے اس کی مثال: **قال لی کیف انت الخ** .

حذف کی تیسری وجہ یہ ہے کہ متکلم مسند الیہ کو حذف کر کے سامع کی عقل کو جانچتا

اور پرکھتا ہے اور دیکھتا ہے کہ سامع کا ذہن مسند الیہ کی طرف متوجہ ہوگا یا نہیں ہوگا، جیسے "نورہ مستفاد من نور الشمس" یہ جملہ مسند ہے اور مسند الیہ "القمر" محذوف ہے۔

مسند الیہ کو حذف کرنے کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ متکلم مسند الیہ کو حذف کر کے سامع کی فہم کی مقدار جانچتا ہے اور دیکھتا ہے کہ مخفی قرائن سے آگاہ ہوتا ہے یا نہیں، جیسے "هو واسطه عقد الكواكب" یہ جملہ مسند ہے اور "القمر" مسند الیہ محذوف ہے۔

یعنی چاند ہی ستاروں کے ہار کا واسطہ ہے۔

نوٹ: واسطہ اس عمدہ موتی کو کہتے ہیں جو ہار کے درمیان میں ہوتا ہے اور ستاروں میں سب سے عمدہ "قمر" ہی ہے۔

(۲) احوال مسند الیہ میں حذف کے مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حذف نام ہے عدم اتیان کا اور یہ بات مسلم ہے کہ عدم وجود پر مقدم ہوتا ہے۔

(۳) مصنفؒ احوال مسند الیہ میں لفظ "حذف" لائے ہیں اور احوال مسند میں لفظ "ترک" لائے ہیں اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ مسند الیہ کلام کے اندر رکن اعلیٰ ہے لہذا اس کے لیے یہ کہا جائے گا کہ پہلے لایا گیا پھر حذف کر دیا گیا، برخلاف مسند کے کیوں کہ وہ کلام کے اندر رکن اعلیٰ نہیں ہے اس لیے کہا جائے گا کہ شروع سے اس کو لایا ہی نہیں گیا۔

## سوال: ۳۷/ص/۶۸

**(وأمّا ذكره اى ذكرُ المُسنَدِ اِلَيْهِ فل) بسطِ الكلامِ حيثُ الاصغاءِ مطلوبٌ أى فى مقامٍ يكونُ إصغاءُ السامعِ مَطلوبًا للمُتكلِّمِ لِعَظْمَتِهِ وَشَرَفِهِ وَلِهٰذا يُطَالُ الكلامُ مَعَ الأحِبّاءِ نحو قوله تعالى حكايةً عن موسى على نبيّنا عليه السلامُ هِىَ عَصَاىَ أتوكّأُ عَلَيْهَا وَقَدْ يَكُوْنُ الذكرُ لِلتَّهوِيْلِ أو التَّعَجُّبِ او الإشْهَادِ فِىْ قَضِيَّةٍ أو التَّسجِيْلِ عَلٰى السَّامِعِ حَتّٰى لايَكُوْنَ لَهٗ سبيلٌ إلى الإنْكَارِ.**

**ترجمہ:** بہر حال مسند الیہ کو ذکر کرنا کلام کو لمبا کرنے کے لیے ہوتا ہے جہاں سنانا مطلوب ہو یعنی ایسی جگہ جہاں متکلم کا مقصد سامع کو متوجہ کرنا ہوتا ہے اس کی عظمت اور شرافت کی وجہ سے اسی وجہ سے کلام کو دوستوں کے ساتھ لمبا کیا جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالی کا قول موسی علیہ السلام کی حکایت بیان کرتے ہوئے **ھی عصای اتو کا علیھا** اور کبھی مسند الیہ کا ذکر ڈرانے کے لیے یا تعجب کے لیے یا کسی معاملہ میں گواہی دینے کے لیے یا سامع پر بات پختہ کرنے کے لیے یہاں تک کہ اس کے انکار کا راستہ نہ رہے۔

(ا) پوری عبارت کی مکمل تشریح کرتے ہوئے ہر ایک کی مثال سے وضاحت بھی کریں۔

(ا) یہاں سے مصنفؒ ذکر مسند الیہ کے وجوہات بیان کر رہے ہیں۔

ان وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ کبھی کبھی سامع عظیم الشان اور بلند مرتبہ ہوتا ہے تو متکلم اپنا کلام لمبا کرنے کے لیے مسند الیہ کو ذکر کرتا ہے تا کہ سامع اس کی بات سن سکے اور اس۔ کے ساتھ زیادہ وقت گذارے اسی وجہ سے دوستوں کے ساتھ گفتگو میں لمبا کلام ہوتا ہے جیسا کہ حضرت موسیٰؑ نے "**وما تلک بیمینک یاموسیٰ**" کے جواب میں "**ھی عصای اتو کا علیھا**" فرمایا تھا یہاں صرف "**عصای**" کافی تھا لیکن چونکہ سامع اللہ رب العزت تھے اس لیے حضرت موسیٰؑ نے مسند الیہ **ھی** کو بھی ذکر کیا اور **عصاء** کے فوائد بھی بیان کئے، اور کبھی کبھی متکلم سامع کو ڈرانے کے لیے مسند الیہ کا ذکر کرتا ہے جیسا کہ تمہارا قول "**امیر المومنین یامرک کذا**" اس میں امیر المومنین مسند الیہ کا ذکر سامع کو ڈرانے کے لیے ہے اور کبھی کبھی متکلم اظہار تعجب کے لیے مسند الیہ کو ذکر کرتا ہے جیسے "**صبی قاوم الاسد**" یہاں "**صبی**" کا ذکر اس بات پر تعجب کرنے کے لیے ہے کہ ایک بچہ نے شیر سے مقابلہ کیا، اور کبھی کبھی متکلم مسند الیہ کو اس بات کے لیے ذکر کرتا ہے کہ کسی مقدمہ کے اندر معاملہ کی گواہی دی جا سکے، جیسے "**ھل باع کذا**" پس اس کے جواب میں معاملہ کا گواہ "**زید باع کذا**" کہے، یہاں زید مسند الیہ کا ذکر اس بات کے لیے کیا گیا تا کہ

ناقل کے قلب میں زید کا نام متعین ہو جائے اور التباس نہ رہے اور کبھی مسند الیہ کو ذکر اس لیے کیا جاتا ہے تا کہ سننے والے پر بات پختہ ہو جائے اور کبھی انکار نہ کر سکے مثلاً حاکم نے شاہد سے کہا "هل أقر هذا على نفسه كذا" پس شاہد کہے "نعم زيد أقر على نفسه كذا" تا کہ زید کے لیے بعد میں انکار کی گنجائش نہ رہے۔

## سوال: ۳۸/ص:۱۷

أو تَعْظِيمٍ أو إهانةٍ كما فِي الألقابِ الصَالِحَةِ لِذٰلِكَ مِثْلُ رَكِبَ عَليٌّ وَهَرَبَ مَعاوِيةُ أو كِنَايَةٍ عَنْ مَعْنىً يَصْلُحُ العَلَمُ لَهُ نحو أبولهبٍ فَعَلَ كَذَا كنايةٌ عن كونه جَهَنَّمِيًّا بِالنَّظَرِ إلى الوَضْعِ الأوَّلِ أعني الاضافيَ لأن معناهُ مـلازمُ النـارِ ومـلا بِسُها وَيلزَمُهُ أنهُ جَهَنَّمِيٌّ فَيكون انتقالاً من الملزوم الى اللازم باعتبارِ الوضعِ الاوّلِ وهذا القدرُ كافٍ فى الكِنايةِ .

ترجمہ: (مسند الیہ کو معرفہ لانا) یا تو تعظیم کے لیے ہوتا ہے یا اہانت کے لیے جیسا کہ ان القاب کے اندر جو اس کی صلاحیت رکھے جیسے "ركب على"" وهر ب معاوية "یا کنایہ کرنے کے لیے ایسے معنی سے جس کے لیے علم صلاحیت رکھتا ہے، جیسا کہ "ابولهب فعل كذا" کنایہ ہے اس کی جہنمی ہونے سے وضع اول کی طرف نظر کرتے ہوئے، میں مراد لیتا ہوں اضافت والی صورت، اس لیے کہ اس کے معنی ملازم نار اور ملابس نار کے ہیں اور اس کے لیے جہنمی ہونا لازم ہے پس ملزوم سے لازم کی طرف منتقل ہوگا، وضع اول کے اعتبار سے اتنی مقدار کنایہ میں کافی ہے۔

(ا) اولاً کنایہ کی تعریف کیجئے بعدہ عبارت کی تشریح کیجئے۔

(ا) کنایہ کی تعریف: ایسا لفظ جس کے لازمی معنی مراد ہوں حالانکہ اس کے حقیقی معنی بھی مراد لئے جا سکتے ہوں جیسا کہ طويل النجاد اس سے مراد لمبے قد والا آدمی ہے اور اس کے حقیقی معنی لمبی تلوار کو اٹھانے والا بھی ہو سکتا ہے۔

مصنفؒ مذکورہ عبارت میں مسند الیہ کو علم کی شکل میں معرفہ لانے کی وجوہات بیان

فرما رہے ہیں:

فرماتے ہیں کہ مسند الیہ کو علم کی شکل میں معرفہ اس لیے لاتے ہیں تا کہ مسند الیہ کی عظمت یا توہین اس میں ہو سکے، لیکن ان ناموں کے اندر ہوگا جن ناموں کے اندر تعظیم یا توہین کی صلاحیت ہو جیسے "رکب علی" علی سے تعظیم مقصود ہے کیوں کہ علی مشتق ہے علو سے جس کے معنی بلندی کے آتے ہیں جیسے "هرب معاوية" معاویہ سے توہین مقصود ہے کیوں کہ "معاویہ" "وعو" سے مشتق ہے جس کے معنی کتے کے بھونکنے کے آتے ہیں۔

یا ایسے معنی سے کنایہ کرنے کے لیے مسند الیہ کو معرفہ علم کی شکل میں لاتے ہیں جس معنی کی صلاحیت علم رکھتا ہو جیسے "ابولہب فعل کذا" ابولہب سے جہنمی ہونے کا کنایہ کیا ہے، دراصل ابولہب کی دو وضع ہیں:

(۱) وضع باعتبار اضافت (۲) وضع باعتبار علم۔

اور کنایہ وضع اول کے اعتبار سے ہے اس لیے کہ لہب کے معنی شعلہ کے آتے ہیں پس ابولہب کے معنی ہوں گے آگ کے ساتھ ہمیشہ رہنے والا اس لیے جہنمی ہونا لازم ہے گویا ملزوم بولکر لازم مراد لیا جا رہا ہے اور اتنا اشارہ کنایہ کے لیے کافی ہے۔

## سوال: ۳۹ / ص: ۷۰

**وَبِالعَلَمِيَّةِ لِإِحْضَارِهِ بِعَيْنِهِ فِي ذِهْنِ السامعِ ابتداءً باسم مُخْتَصٍّ بِهِ نحو قُلْ هُوَ اللّٰهُ أحد.**

**ترجمہ:** (اور مسند الیہ کو معرفہ بنانا) علم کے ذریعہ مسند الیہ کو متعین طور پر سامع کے ذہن میں اول مرتبہ میں حاضر کرنے کے لیے ہوتا ہے ایسے اسم کے ساتھ جو مسند الیہ کے ساتھ خاص ہے جیسے "قل هو الله احد"

(۱) علم کی تعریف کریں (۲) بعینہ کی مراد لکھیں (۳) مذکورہ عبارت میں جو فوائد قیود ہیں اسے بیان کریں (۴) اللہ کی تعریف کریں (۵) اللہ کی اصل کیا ہے؟

(۱) علم وہ لفظ ہے جو ذات معین کے لیے اس کے تمام مشخصات کے ساتھ وضع کیا گیا ہو۔

(۲) بعینہ سے مراد بشخصہ ہے اور بشخصہ کا مطلب یہ ہے کہ مسند الیہ اپنے ماسوا سے جدا ہو جائے۔

(۳) لفظ بعینہ کے ذریعہ اس صورت سے احتراز کیا ہے جس میں مسند الیہ کا استحضار اسم جنس کے ساتھ ہو اور ابتداء سے احتراز کیا ہے "جاء نی زید هو راکب" جیسی مثالوں سے کیوں کہ اس میں هو مسند الیہ معرفہ ہے اور اس میں مسند الیہ کا استحضار دوسرے درجہ میں ہوگا، اس لیے کہ پہلے اس کے مرجع کا علم ہوگا اس کے بعد مسند الیہ کا علم ہوگا۔

باسم مختص کے ذریعہ چند چیزوں سے احتراز کیا ہے (۱) جبکہ مسند الیہ ضمیر متکلم ہو جیسے "أنا أكلت" یا ضمیر مخاطب ہو "أنت شربت" یا مسند الیہ اسم اشارہ ہو جیسے "هذا زيد" یا مسند الیہ اسم موصول ہو "الذی يجتهد موجود فی الفصل" یا معرف باللام ہو جیسے "وليس الذكر كالانثى" یا مسند الیہ کی اضافت کی وجہ سے معرفہ ہو جیسے "جاء غلامی"۔

(۴) اللہ کہتے ہیں اس ذات کو جو واجب الوجود ہو اور تمام صفات کمالیہ کو جامع ہو۔

(۵) اللہ کی اصل الہ ہے ہمزہ کو حذف کر کے الف لام اس کے عوض میں لایا گیا پھر دو حرف ہم جنس ہونے کی وجہ سے ایک کا دوسرے میں ادغام کر دیا گیا تو اللہ ہو گیا۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

## سوال: ۴۰ ص:۴۷

أوْ إيهامِ استلذاذِهٖ أی وِجدانِ العِلمِ لَذيذاً نَحو قوله بالله يا ظَبيَّاتِ القَاعِ قُلنَ لَنا أليلاىَ مِنكُنَّ أم لَيلىٰ مِنَ البشرِ او التبرُّكِ به نحو أَللّٰهُ الهادی وَمُحَمَّدُ الشفيعُ أو نحو ذلک كالتفاؤُلِ والتطيُّرِ.

**ترجمہ**: یا علم کے لذیذ ہونے کا وہم ڈالنے کے لیے علم کو لذید پانے کے لیے جیسے شاعر کا قول خدا کی قسم اے چٹیل میدان کی ہرنیوں تم ہم سے بتاؤ کیا میری لیلیٰ تم میں سے ہے یا انسانوں میں سے ہے یا علم سے برکت حاصل کرنے کے لیے جیسا کہ "الله الهادی"، "محمد الشفيع" یا اس جیسی کوئی چیز جیسا کہ نیک فالی لینا یا بد فالی لینا۔

(۱) مذکورہ عبارت کا تعلق کس مسئلہ سے ہے؟ اس کو بتلاتے ہوئے عبارت کی

وضاحت کریں اور محل استشہاد متعین کریں۔

(۱) مذکورہ عبارت کا تعلق مسند الیہ کو علم کی شکل میں معرفہ لانے سے ہے مسند الیہ کو علم کی صورت میں معرفہ لانے کی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ متکلم سامع کے ذہن میں یہ بات ڈالنا چاہتا ہے کہ اس کو علم سے مزہ آتا ہے جیسا کہ شعر کے اندر محل استشہاد دوسرا مصرع ہے اتنا کہنا کافی تھا'' ام ھی من البشر '' کیوں لیلی کا ذکر پہلے آچکا تھا لیکن دوبارہ ذکر اس لیے کیا تاکہ معلوم ہوجائے کہ عَلَم سے ہمیں لذت محسوس ہوتی ہے اسی طرح کبھی علم برکت حاصل کرنے کے لیے لاتے ہیں جیسے ''الله الهادی''، ''محمد الشفیع '' کے اندر ''اللہ'' اور ''محمد''۔

کبھی نیک فالی کے لیے مسند الیہ کو علم لاتے ہیں جیسے '' سعد فی دارک '' اور کبھی بدفالی کے لیے مسند الیہ کو علم لاتے ہیں ''السفاح فی دار صدیقک ''.

## سوال: ۴۱/ص: ۲۰

وَبالْمَوْصُولِيَّةِ أی تعریفُ المُسندِ إلیهِ بِإیرادِهِ إسمَ مَوصولٍ لِعَدَمِ عِلْمِ المُخَاطَبِ بالأحوالِ المُختصَّةِ به سِوی الصِلةِ کقولِکَ الذی کان معنا أمسِ رجلٌ عالمٌ أو استهجانِ التّصریحِ بالإسمِ أو زیادةِ التقریرِ نحوراودتهُ التی هو فی بیتها عن نفسه .

**ترجمہ:** (اور مسند الیہ کو معرفہ لانا) اسم موصول کے ذریعہ یعنی مسند الیہ کو معرفہ لانا اسم موصول لاکر کے مخاطب کو علم نہ ہونے کی وجہ سے ان احوال کا جو مسند الیہ کے ساتھ خاص ہیں صلہ کے علاوہ جیسا کہ آپ کا قول ''الذی کان معنا امس رجل عالم'' وہ شخص جو کہ کل گذشتہ ہمارے ساتھ تھا ایک عالم آدی تھا یا اسم کی صراحت کرنے کو برا سمجھنے کی وجہ سے یا زیادتی تقریر کے لیے جیسے وراودته التی هو فی بیتها عن نفسه .

(۱) مطلب لکھتے ہوئے بتلائیے کہ ''وراودته التی الخ ''میں موصول کی غرض کیا ہے نیز التی هو فی بیتها ہی کی تعبیر کیوں اختیار کی وضاحت سے لکھئے۔

(۱) یہاں مصنفؒ مسند الیہ کو اسم موصول کی شکل میں معرفہ لانے کے وجوہات بیان کررہے ہیں پہلی وجہ یہ ہے کہ مخاطب کو مسند الیہ کے کسی بھی احوال کا علم نہیں ہے لیکن صرف صلہ کا علم ہے اس صورت میں اسم موصول لاتے ہیں جیسے کوئی پوچھے "من الذی کان معک امس" تو اس کے جواب میں کہیں گے "الذی کان معنا امس رجل عالم" یہاں مخاطب کو مسند الیہ کے احوال کا کوئی بھی علم نہیں ہے صرف اتنا علم ہے کہ کل گذشتہ ساتھ تھا اسی لیے مسند الیہ کو الذی اسم موصول کے شکل میں لائے ہیں۔

دوسری وجہ مسند الیہ کو اسم موصول کی شکل میں معرفہ لانے کی یہ ہے کہ نام کی صراحت کو برا اور گندہ سمجھا جائے تو مسند الیہ کو اسم موصول کی شکل میں لے آتے ہیں جیسے "الذی یخرج من السبیلین ناقض" اور اسی طرح وراودته التی بھی ہے کیوں کہ عورت کا نام لینا معاشرہ کے اندر برا اور مذموم سمجھا جاتا ہے اس لیے التی اسم موصول لاتے ہیں۔

تیسری غرض زیادتی تقریر کے لیے مسند الیہ کو اسم موصول کی شکل میں لاتے ہیں، زیادتی تقریر کی مراد میں تین قول ہیں:

پہلا قول: کلام کے مضمون کی تقریر مراد ہے اس مثال کے اندر حضرت یوسفؑ کی پاکدامنی پُر زور طریقہ پر ثابت ہوگی، کیوں کہ جب گھر میں تھے اس کے بعد محفوظ رہ جانا زیادہ مشکل کام ہوتا ہے دوسرا قول یہ ہے کہ مسند کی تقریر ہے اس طور پر کہ جب گھر میں تھے تو الفت ومحبت زیادہ ہوگا تو اس میں پھسلانا اور ورغلانا بھی زیادہ ہوگا تیسرا قول یہ ہے کہ مسند الیہ کی تقریر ہے اس طور پر کہ اگر "امرأة العزیز" کہتے تو اس میں ابہام رہتا اور پتہ نہ چلتا کہ کونسی بیوی نے پھسلایا ہے آیا جس کے گھر میں تھے اس نے یا دوسری نے اسی طرح اگر زلیخا کہتے تو اس میں اشتراک رہتا کہ زلیخا نام کی چند عورتیں ہیں آیا بیوی نے پھسلایا یا کسی اور عورت نے اور "راودته التی الخ" کہنے میں مذکورہ خرابی لازم نہیں آرہی ہے۔

## سوال: ۴۲/ص ۴۷

بِالْمَوْصُولِيَّةِ ای تعریفُ الْمُسْنَدِ إِلَيهِ بِإِيرادِهِ اِسْمَ مَوصُولٍ لِتنبيهِ

الْمُخَاطَبِ علٰى الخطأ نحو شعر . إنَّ الذِينَ تَرونَهُمْ إِخْوَانَكُمْ ، يَشْفِيْ غَلِيْلَ صُدُورِهِمْ أن تُصرَعُوْا اى تُهْلَكُوا أو تُصَابُوْا بالحَوادِثِ فَفِيْهِ مِنَ التَّنْبِيْهِ فى خطأهِمْ فى هذا الظَّنِّ ما لَيْس فِي قولِكَ إنَّ القَومَ الفُلانِيَّ .

**ترجمہ**: یا مخاطب کو غلطی پر تنبیہ کرنے کے لیے مسند الیہ کو اسم موصول کی صورت میں لایا جاتا ہے جیسا کہ شعر جن کو تم اپنا بھائی خیال کرتے ہو ان کے دلوں کا کینہ اس بات سے شفایاب ہوتا ہے کہ تم پچھاڑ دیے جاؤ یعنی تم ہلاک کر دیئے جاؤ یا تم لوگوں کو حوادث پہنچ جائیں اس گمان میں غلطی پر تنبیہ ہے جو تمہارا قول ان القوم فلانی میں نہیں ہے۔

(ا) مطلب لکھتے ہوئے مثال کو ممثل لہ پر منطبق کریں، اور ان القوم الفلانی کی خبر متعین کریں۔

(ا) مسند الیہ کو اسم موصول کی شکل میں معرفہ لانے کی وجہ یہ بھی ہے کہ متکلم مخاطب کو غلطی پر متنبہ کرنا چاہتا ہے، تو مسند الیہ کو اسم موصول کی شکل میں لاتا ہے، جیسا کہ شعر کے اندر شاعر کہنا چاہتا ہے جن کو تم اپنا بھائی اور دوست خیال کرتے ہو ان کا تو حال یہ ہے کہ وہ ہر وقت تمہارے ہلاک ہونے کی تمنا کیا کرتے ہیں لہذا تمہارا ان کے بھائی ہونے کے بارے میں خیال غلط ہے شاعر نے مسند الیہ ان الذین کے ذریعہ ان کے بھائی ہونے کا خیال کرنے کی غلطی پر آگاہ کیا ہے، اس کے برخلاف اگر شاعر " ان القوم الفلانی یشفی غلیل صدورھم ان تصرعوا " کہتا تو ان کی غلطی پر تنبیہ نہ ہوتی ان القوم الفلانی کی خبر یشفی غلیل صدورھم ان تصرعوا ہے۔

## سوال: ۴۳/ص: ۷۵

رُبَّمَا يُجْعَلُ ذَرِيعَةً أى وَسِيلةً إلى التَعريضِ بالتعظيم لشانه اى شانِ الخبر نحوُ شعر إن الذى سَمَكَ السماءَ أى رفعَ السَّماءَ بَنىٰ لَهَا بيتًا أرادَ بِهِ الكعبةَ او بَيْتَ الشرفِ والمَجْدِ دَعَائمهُ أعزُّ وأطولُ او ذريعةً إلى تَعْظِيمِ شَانِ غَيرِه أى غَيرِ الخَبَرِ نحو الذين كَذَّبوا شُعَيبًا كانُوا هُمُ الخاسِرين .

**ترجمہ**: بسا اوقات اس کو ذریعہ بنایا جاتا ہے خبر کے عظیم الشان ہونے کی طرف اشارہ کرنے کے لیے جیسا کہ شعر **ان الذی سمک السماء الخ** (بلا شبہ وہ ذات جس نے آسمان بلند کیا اس نے ہمارے لیے گھر بنایا) بیت سے مراد یا تو کعبہ ہے یا بزرگی کا گھر، جس کے کھمبے باعزت اور لمبے ہیں یا غیر خبر کی شان کی تعظیم کے لیے اس کو ذریعہ بنایا جاتا ہے جیسے''**الذین کذبوا شعیبا**'' وہ لوگ جنہوں نے شعیب کو جھٹلایا وہ لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

(ا) مطلب تحریر کرتے ہوئے **یجعل** کا نائب فاعل ذکر کریں، مسند الیہ کو اسم موصول کی شکل میں لانے کی بہت سے مقاصد ہیں آپ ان میں سے مزید دو مقصد بیان کریں۔

(ا) **یجعل** کا نائب فاعل وجہ بنائے خبر کی طرف اشارہ کرنا ہے **ای یجعل الایماء الی وجہ بناء الخبر ذریعة الخ** مصنفؒ یہاں سے فرما رہے ہیں کہ مسند الیہ کو اسم موصول کی شکل میں معرفہ اس لیے لایا جاتا ہے کہ وجہ بنائے خبر کی طرف اشارہ کر کے مسند کی خبر کے عظیم الشان ہونے کو بتلایا جائے اس شعر کے اندر **إن الذی سمک السماء** سے اشارہ ہے کہ آنے والی خبر رفعت اور بلندی کی قسم میں سے ہے پھر اس اشارہ میں خبر کے عظیم الشان ہونے کی طرف بھی اشارہ ہے، اس طور پر کہ ہمارے گھر کی تعمیر کرنے والی وہی ذات عالی ہے جس نے آسمان جیسی بلند و بالا چیز کو پیدا کیا، اور کبھی کبھی مسند الیہ کو اسم موصول کی شکل میں لا کر وجہ بنائے خبر کی طرف اشارہ کرنے سے کبھی غیر خبر کی عظمت کا وسیلہ بنتا ہے جیسے **الذین کذبوا شعیبا** اس سے معلوم ہوا کہ آنے والی خبر خسارہ کی ہے کیوں کہ نبی کی تکذیب باعث خسارہ ہوا کرتی ہے لیکن اس سے شعیبؑ کی عظمت بھی معلوم ہوتی ہے، اس طور پر کہ ان کی تکذیب کی وجہ سے قوم ہلاک ہوئی حالانکہ شعیبؑ ترکیب میں خبر نہیں بلکہ **کذبوا** کا مفعول بہ ہے۔

کبھی مسند الیہ کی عظمت بیان کرنا مقصود ہوتی ہے جیسے ''**فغشیهم من الیم ما غشیهم**''

کبھی مخاطب کے غلطی پر تنبیہ کرنا مقصود ہوتی ہے جیسے ''**ان الذی ترونهم اخوانکم یشفی غلیل صدورهم ان تصرعوا**''۔

## سوال:۴۴رص:٦٧

**وَبالاشَارَةِ ای تعریفُ المُسنَدِ اِلَیْہِ بِاِیرادِہٖ اسمَ الاشارَةِ لتمیُّزِہٖ ای المسندِ إلیہِ اکمل تمیزٍ لِغَرَضٍ من الاغْرَاضِ نحو قولہ ع ھذا ابو الصقر فرداً نَصبٌ علی المدح او علی الحالِ فی مَحَاسِنِہ من نسلِ شَیْبَانَ بین الضالِ والسلمِ .**

**ترجمہ**: اوراسم اشارہ کے ذریعہ یعنی مسند الیہ کومعرفہ بنانا مسند الیہ کواسم اشارہ کی صورت میں لاکر کے، مسند الیہ کومکمل طور پر جدا کرنے کے لیے، کسی غرض کی وجہ سے جیسے یہ ابوالصقر اپنی خوبیوں میں تنہا ہیں'' فرداً منصوب ہے مدح کی بناء پر یا حال کی وجہ سے، جو شیبان کی نسل میں سے ہے ضال وسلم کے درمیان مقیم رہتا ہے۔

(۱) اکمل تمیز ترکیب میں کیا واقع ہے،لغرض من الاغراض سے کیا مراد ہے اور محاسن کا مفرد کیا ہے (۲) مطلب لکھتے ہوئے شعر میں محل استشہاد کونسا لفظ ہے متعین کریں (۳) ضال وسلم کے درمیان ہونے کا کیا مطلب۔

(۱) اکمل تمیز ترکیب میں مصدر تمیز کا مفعول مطلق واقع ہے۔

لغرض من الاغراض سے مراد مدح کے اندر مبالغہ پیدا کرنا ہے۔

محاسن حسن کی خلاف قیاس جمع ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(۲) یہاں سے مصنفؒ مسند الیہ کواسم اشارہ کی شکل میں لانے کی غرض بیان کررہے ہیں فرماتے ہیں کہ کبھی مسند الیہ کودوسرے سے کامل ومکمل طور پر ممتاز کرنا ہوتا ہے جیسے کہ اگر کسی کی تعریف کے اندر مبالغہ پیدا کرنا ہے جیسا کہ یہ شعر ہذا الوالصقر الخ اس شعر کے اندر محل استشہاد (ہذا) ہے، یہاں مسند الیہ کواسم اشارہ اس لیے لائے ہیں تاکہ ابوالصقر کی تعریف کے اندر مبالغہ پیدا کیا جائے۔

(۳) ضال،سلم یہ جنگل کے دودرخت ہیں۔

ضال وسلم کے درمیان ہونے کا مطلب یہ لوگ جنگل میں مقیم رہتے ہیں۔

## سوال: ۴۵/ص: ۷۷

أو التَعْرِيْضِ بِغَبَاوةِ السَامِعِ حتى كانَهُ لايُدْرِكُ غَيْرَ المَحْسُوْسِ كقوله اُولٰئِكَ آبائِي فَجِئْنِيْ بِمِثْلِهِمْ ، اِذا جَمعتَنَا يا جَرِيْرُ المجامِعُ أو بَيَانِ حَالِهِ فِي القُرْبِ والبُعدِ والتوسطِ كقولِكَ هذاأو ذلك أو ذاكَ زيد وأخَّر ذكرَ المتوسِطِ لانه انما يتحقَّقُ بَعد تحقُّقِ الطَرفَيْنِ .

**ترجمہ:** سامع کے غبی ہونے پر اشارہ کرنے کے لیے یہاں تک کہ غیر محسوس کا ادراک نہیں کر سکتا جیسا کہ شاعر کا قول یہ میرے آباواجداد ہیں تم ان کا مثل لے آؤ اے جریر جب مجمع ہم کو جمع کرے یا مسند الیہ کا حال بیان کرنے کے لیے قریب ہونے یا دور ہونے یا درمیان ہونے میں جیسا کہ تمہارا قول هذا یاذلک یاذاک زید ،اور مصنف نے توسط کا ذکر بعد میں کیا اس لیے کہ توسط طرفین کے پائے جانے کے بعد ہی پایا جاتا ہے۔

(۱) تعریض کی تعریف کیجئے (۲) غیر محسوس کی مراد لکھ کر مطلب واضح کیجئے اور شعر میں کونسا کلمہ تعریض کی مثال ہے اور کیسے اس کی بھی وضاحت کریں۔

(۱) وهو امالة الكلام الى عرض كقولك لشخص يضر الناس، خير الناس من ينفعهم .

تعریض کہتے ہیں کلام کو کسی گوشہ کی طرف مائل کر دینا، جیسے تیرا کہنا اس شخص سے جو لوگوں کو نقصان پہنچائے "خير الناس من ينفعهم"

(۲) مذکورہ عبارت میں غیر محسوس سے مراد وہ چیز ہے جس کا حاسۂ بصر سے ادراک نہ ہو سکے۔

مصنفؒ مسند الیہ کو اسم اشارہ کی شکل میں معرفہ لانے کی وجہ بیان کر رہے ہیں کہ کبھی سامع کی غباوت اور بے وقوفی کو بتلانا ہوتا ہے کہ ایسا کند ذہن ہے کہ وہ غیر محسوس چیز کو سمجھ نہیں سکتا ہے اس لیے اس کے سامنے اسم اشارہ کے ساتھ کلام لایا گیا، جیسے شعر مذکور میں شاعر مسند الیہ کو اسم اشارہ یعنی اولٰئک کے ساتھ اس لیے لا رہا ہے تا کہ جریر کی غباوت کو

بتلائے اور اس کی ہجو کرے اور جریر بغیر اشارہ کے کلام سمجھ ہی نہیں سکتا مذکورہ شعر میں کلمہ تعریض اولئک ہے اس طور پر کہ اولئک اسم اشارہ ہے حالانکہ اسم اشارہ محسوس کے لیے ہوتا ہے یہاں غیر محسوس کے لیے لایا گیا ہے۔

اور کبھی کبھی مسند الیہ کو اسم اشارہ کی شکل میں اس لیے لاتے ہیں تا کہ یہ بتلایا جا سکے کہ مسند الیہ قریب ہے جیسا کہ ہذا زید یا مسند الیہ بعید ہے جیسے ذلک زید یا درمیان میں ہے جیسے ذاک زید۔

وآخر ذکر المتوسط الخ: یہاں سے شارحؒ ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں اعتراض یہ ہوتا ہے کہ مصنف توسط کو بعد میں کیوں لائے حالانکہ توسط قریب کے بعد بعید سے پہلے ہونا چاہیے تھا تو جواب دیا کہ توسط کا تحقق قریب اور بعید کے تحقق کے بعد ہی ہوگا اس لیے اس کو قریب اور بعید کے بعد لائے ہیں۔

## سوال:۴۶رص:۷۸

**أو التنبيهِ أى تعريفُ المُسندِ اليه بِالإشارةِ لِلتنبيهِ عِندَ تَعْقِيبِ المُشَارِ إليهِ بِأَوْصَافِ علٰى أنهُ جَدِيرٌ بِما يَرِدُ بَعدهُ مِن أَجلِهَا نحو أولئک على هُدىً مِنْ رَّبِّهِم واولئک هم المُفلحُون .**

**ترجمہ** : یا تنبیہ کرنے کے لیے یعنی مسند الیہ کو معرفہ لانا اسم اشارہ کے ذریعہ تنبیہ کرنے کے لے مشار الیہ کے بعد اوصاف لا کر کے اس بات پر کہ مشار الیہ لائق ہے اس حکم کا جو اسم اشارہ کے بعد آ رہا ہے ان اوصاف کی وجہ سے جیسے **اولئک علی هدی من ربهم الخ.**

**(۱) تعقیب کے لغوی معنی بتلائیں (۲) مطلب لکھتے ہوئے اولئک کا مشار الیہ اوران اوصاف کی تعین کریں جن کے باعث وہ ہدایت اور فلاح سے بہرہ ور ہوئے۔**

(۱) تعقیب کا لغوی معنی ہیں کسی کے بعد آنا یہ مصدر ہے باب تفعیل سے۔

(۲) مصنف فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی مسند الیہ کو معرفہ اسم اشارہ کی شکل میں اس لیے

لاتے ہیں تاکہ سامع کو اس بات پر تنبیہ ہو جائے کہ مشار الیہ کے بعد جو اوصاف ہیں مشار الیہ اسم اشارہ کے بعد آنے والے حکم کا مستحق انہیں اوصاف کی وجہ سے ہے، جیسا کہ مذکورہ مثال کے اندر کہ اس میں اولئک اسم اشارہ ہے اس کا مشار الیہ الذین ہے اور اوصاف یـومـنـون سے آخر تک ہے اس میں اسم اشارہ آنے والے حکم دو ہیں (۱) ہدایت پر ہونا ،(۲) فلاح پانا، اس حکم کا مستحق مشار الیہ الذین ان اوصاف کی وجہ سے ہوگا جو اس کے بعد آرہے ہیں یعنی ایمان بالغیب اقامت صلوۃ وغیرہ اگر ان کے اندر یہ اوصاف نہ ہوں گے تو نہ ہدایت پر ہوں گے اور نہ فلاح پائیں گے۔

## سوال: ۷۴/۷ رص: ۷۹

وَبـاللَّامِ ای تـعـريفُ الـمسـنـدِ اليهِ بِاللَّامِ لِلإِشَارَةِ إِلٰى مَعْهُوْدٍ ولَيْس الذَّكـرُ كَـالأُنْثٰى أى ليس الذَّكَرُ الذى طلبَتْ إمرأةُ عِمرانَ كَالَّتِىْ أى كَالانثى التـى وُهِبَتْ تـلك الانثى لها أوللإشارة إلى نفسِ الحَقِيْقَةِ كَقَو لِكَ الرجلُ خيرٌ مِن المَرْأَةِ.

**ترجمہ**: اور مسند الیہ کو معرفہ بنانا لام کے ذریعہ کسی متعین چیز کی طرف اشارہ کرنے کے لیے جیسے ولیس الذکر الخ یعنی وہ لڑکا جس کو عمران کی بیوی نے مانگا تھا اس لڑکی کی طرح نہیں ہے جو ان کو دی گئی یا نفس حقیقت کی طرف اشارہ کرنے کے لیے آیا ہے جیسے تمہارا قول "الرجل خير من المرأة".

(۱) معہود سے مراد کیا ہے (۲) لام عہد سے فرد معین کی طرف اشارہ کب ہوسکتا ہے (۳) مطلب لکھتے ہوئے اس کو واضح کریں کہ ذکر اور انثی کا تذکرہ اس سے پہلے کہاں ہوا ہے اس کو بتائیں (۴) لہا میں ضمیر کا مرجع کیا ہے (۵) نفس حقیقت سے مراد کیا ہے۔

(۱) معہود سے مراد متعین ہے اس لیے کہ اہل عرب "عہدت فلانا" اس وقت بولتے ہیں جب تو فلاں سے ملاقات کرلے، اور ظاہر ہے کہ ملاقات کے وقت وہ شخص متعین ہو جاتا ہے۔

(۲) لام عہد سے فرد معین کی طرف اشارہ اس وقت ہوگا جب اس کا ذکر صراحۃ یا کنایۃ ہو گیا ہو۔

(۳) یہاں سے مصنفؒ مسند الیہ کو لام کے ذریعہ معرفہ لانے کی وجوہات بیان کر رہے ہیں فرماتے ہیں کہ لام کے ذریعہ کبھی اس فرد کی طرف اشارہ مقصود ہوتا ہے جو پہلے سے متکلم اور مخاطب کے درمیان متعین ہے، جیسا کہ ولیس الذکر کالانثی ''اس میں الذکر اورالانثی'' دونوں پر لام عہد کا ہے اور مطلب ہے کہ جس مذکر کو عمران کی بیوی نے طلب کیا ہے وہ اس لڑکی کی طرح نہیں ہے جو عمران کی بیوی کو اللہ تعالی نے عطاء کی ہے۔

بلکہ لڑکی اس سے بڑھ کر ہے پس اس میں الذکر کا ذکر انی نذرت لک مافی بطنی میں ما کے اندر ہوا ہے اس لیے کہ ما سے مراد مذکر ہی ہے کیوں کہ لڑکیوں کو بیت المقدس کی خدمت کے لیے نہیں رکھا جاتا ہے اور انثی کا ذکر ما قبل میں انی وضعتها انثی میں ہو چکا ہے لہذا یہاں لام عہد مراد ہو سکتا ہے۔

(۴) لها میں ضمیر کا مرجع ''امرأة عمران'' ہے۔

(۵) نفس حقیقت سے مراد یہ ہے کہ وہاں افراد نہ ہو بلکہ نفس ماہیت مراد ہو جیسا کہ ''الرجل خیر من المرأة'' میں الرجل اور المرأة کے کوئی بھی افراد مراد نہیں ہیں بلکہ اس سے ماہیت رجل اور ماہیت نساء مراد ہے۔

## سوال: ۴۸ / ص: ۸۰

وقد یأتی المعرّفُ بِلامِ الحقیقةِ لِوَاحِدٍ مِن الأَفْرادِ بِاعْتِبارِ عَهْدِیَّتِهِ فِی الذِّهنِ کَقَولِکَ اُدْخُلِ السُوقَ حَیثُ لاعَهدَ فِیْ الخَارِجِ وَهٰذا فِیْ المَعْنی کالنکرةِ وقد یُفِیدُ الِاستغراقَ نَحو إنَّ الانسان لفی خسر .

**ترجمه**: اور کبھی معرف باللام حقیقت افراد میں سے کسی ایک فرد کے لیے آتی ہے ذہن میں اس کے متعین ہونے کے اعتبار سے جیسے تمہارا قول ادخل السوق جہاں خارج میں کوئی بازار متعین نہ ہو، اور یہ معرف باللام معنی میں نکرہ کی طرح ہوتا ہے اور کبھی فائدہ دیتا

ہے استغراق کا جیسے "ان الانسان لفی خسر"۔

(۱) لام عہد ذہنی کلام کے اندر کب واقع ہوتا ہے (۲) جب لام عہد معنی نکرہ ہوتا ہے تو کیا معرف باللام موصوف کی صفت نکرہ ہوگی یا معرفہ، (۳) "ولقد امر علی اللئیتم یسبّنی " کس چیز کی مثال ہے (۴) مصنفؒ نے کالنکرۃ کیوں کہا (۵) استغراق کی کتنی قسمیں ہیں ہر ایک کی تعریف مع مثال لکھیں۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(۱) لام عہد ذہنی کلام میں اس وقت واقع ہوگا جب قرینہ پایا جائے کہ یہاں نہ مقصود نفس حقیقت ہے نہ استغراق ہے اور نہ عہد خارجی مراد ہے جیسا کہ ادخل السوق' یہاں نفس حقیقت مراد نہیں ہوسکتی اس لیے کہ بازار کی حقیقت میں داخل ہونا محال ہے لہذا معلوم ہوا کہ یہاں افراد مراد ہے اور استغراق بھی مراد نہیں ہوسکتا اس لیے کہ بیک وقت تمام بازاروں میں داخل ہونا ممتنع ہے اور عہد خارجی کی نفی مصنفؒ نے خود "لا عھد فی الخارج" سے کردی ہے لہذا یہاں پر غیر معین فرد مراد ہوگا اور وہی لام عہد ذہنی ہے۔

(۲) لام عہد ذہنی معناً نکرہ ہوتا ہے لیکن لفظاً اس پر معرفہ کے احکام جاری ہوتے ہیں لہذا اس کی صفت بھی معرف باللام لائی جائے گی لیکن کبھی کبھی اس کے برعکس بھی ہوتا ہے۔

(۳) ولقد امر علی اللّئیم الخ یہ اس بات کی مثال ہے کہ کبھی کبھی اس معرف باللام کے ساتھ نکرہ کا معاملہ کیا جاتا ہے لہذا اس کی صفت جملہ لائی جاتی ہے جیسا کہ اللئیم کے اندر لام عہد ذہنی کا ہے اور اس کی صفت یسبنی جملہ لائی گئی ہے۔

(۴) مصنفؒ نے کالنکرۃ اس لیے کہا کہ حقیقتاً نکرہ کی طرح نہیں ہے بلکہ تھوڑا سا فرق ہے اس طور پر کہ نکرہ کا موضوع لہ غیر معین ہے اور معرف باللام عہد ذہنی کا موضوع لہ حقیقت ہے جو کہ ذہن میں متعین ہے اور غیر معین فرد کا مراد ہونا قرینہ سے معلوم ہوتا ہے۔

(۵) استغراق کی دو قسمیں ہیں (۱) حقیقی (۲) عرفی۔

حقیقی یہ ہے کہ جن افراد کو لفظ لغت کے اعتبار سے شامل ہو ان تمام افراد کو مراد لیا جائے جیسے عالم الغیب والشھادۃ عرفی یہ ہے کہ جن افراد کو لفظ عرف عام کے اعتبار

سے شامل ہے ان تمام افراد کو مراد لیا جائے جیسے **جمع الامیر الصاغۃ** امیر نے سناروں کو جمع کیا، یہاں دنیا کے تمام سنار مراد نہیں بلکہ شہر یا اس کے اطراف کے تمام سنار مراد ہیں۔

## سوال:۴۹رص:۸۳

**وَلاتَنافِی بینَ اِلاستغراقِ وإفرادِ الإسْمِ لِأنَّ الحَرْفَ الدالَّ علی الاستغراقِ کحرف النفی والتعریفِ إنما یدخُلُ عَلَیْہِ أی عَلَی الإسْمِ المُفْرَدِ حَالَ کونِہٖ مُجرَّداً عن الدّلالۃِ علیٰ معنی الوحدۃِ کما أنہ مجرّدٌ عن الدّلالۃِ علی التَّعدُّدِ وامتناعُ وصفِہٖ بنعتِ الجمعِ للمحافظۃِ علی التَشاکُلِ اللفظیِّ .**

**ترجمہ** : اور منافات نہیں استغراق اور اسم کے مفرد ہونے میں اس لیے کہ وہ حرف جو دلالت کرتا ہے استغراق پر جیسا کہ حرف نفی اور تعریف اسم مفرد پر اس حال میں داخل ہوتا کہ اس کو وحدت کے معنی پر دلالت کرنے سے خالی کرلیا گیا ہو جیسا کہ اس کو خالی کرلیا جاتا ہے تعدد پر دلالت کرنے کے لیے اور اس کی صفت کا ممتنع ہونا جمع کے ساتھ تشاکل لفظی کی حفاظت کی وجہ سے ہے۔

(۱) استغراق کسے کہتے ہیں، مذکورہ عبارت ایک اعتراض کا جواب ہے آپ اعتراض وجواب دونوں کو وضاحت کے ساتھ لکھئے (۲) مصنف امتناع وصفہ سے کیا کہنا چاہتے ہیں۔

(۱) استغراق کہتے ہیں جس میں مدخول بہ کے تمام افراد مراد ہوں، جیسا کہ ان الانسان لفی خسر'' کے اندر، مذکورہ عبارت سے مصنفؒ ایک اشکال کا جواب دے رہے ہیں اشکال کی تفصیل یہ ہے کہ اسم مفرد کے اندر وحدت کے معنی ہوتے ہیں اور الف لام استغراق میں تعدد کے معنی ہوتے ہیں تو الف لام استغراق کو اسم مفرد پر داخل نہیں ہونا چاہیے کیوں کہ وحدت اور تعدد کے درمیان منافات ہوتی ہے۔

مصنفؒ نے جواب دیا کہ جب حرف استغراق اسم مفرد پر داخل ہوتا ہے تو اسم مفرد کو وحدت کے معنی سے خالی کرلیا جاتا ہے جب اس کے اندر وحدت کے معنی نہیں ہے تو اب

الف لام استغراق اور اسم مفرد کے درمیان کوئی منافات نہیں ہوگی۔

وامتناع وصفه الخ سے مصنف ایک اشکال کا جواب دے رہے ہیں جب اس میں وحدت کے معنی نہیں رہے تو اس کی صفت جمع لائی جائے حالانکہ اس کی صفت جمع نہیں لاتے ہیں تو مصنفؒ جواب دے رہے ہیں کہ جمع اس لیے نہیں لاتے ہیں کہ موصوف او رصفت کو لفظوں میں ہم شکل ہونا چاہیے اور جمع لانے کی صورت میں موصوف اور صفت لفظوں میں ہم شکل نہیں رہتے ہیں اس لیے صفت مفرد ہی لاتے ہیں۔

## سوال: ۵۰/ص: ۸۴

وبالإضافةِ أي تعريفُ المسندِ إليه بِإضافتهِ إلى شَئٍ مِن المَعَارِفِ لِأنَّها أخصرُ طريقٍ الى إحضارِه في ذِهنِ السامعِ نحو هَوایَ مع الركبِ اليمانينَ مُصعدٌ جنيبٌ وجُثمانِيَ بِمكةَ مُوثِقٌ.

**ترجمہ**: اور مسند الیہ کو معرفہ لانا معارفوں میں سے کسی چیز کی طرف اضافت کر کے اس لیے کہ اضافت سامع کے ذہن میں مسند الیہ کو مختصر طور پر حاضر کرنا ہے جیسا کہ هوای مع الركب الخ میرا محبوب یمنی سواروں کے ساتھ دور جارہا ہے اور وہ متبوع ہے اور میرا جسم مکہ میں مقید ہے۔

(۱) مطلب لکھتے ہوئے مثال کو ممثل پر منطبق کیجئے۔

(۱) یہاں سے مصنفؒ مسند الیہ کو اضافت کی شکل میں معرفہ لانے کی وجہ بیان کر رہے ہیں فرماتے ہیں ک یہاں مسند الیہ کو مختصر طریقہ پر اور کم عبارت کے اندر سامع کے ذہن میں حاضر کرنا ہو وہاں مسند الیہ کو معرفہ اضافت کی شکل میں لاتے ہیں جیسا کہ مذکورہ شعر کے اندر هوای کیوں کہ اگر" الذی اهواه "اسم موصول کے ساتھ کہتے تو اس میں اختصار نہیں ہوتا جتنا اختصار هوای کے اندر ہے اور یہاں اختصار مطلوب بھی ہے کیوں کہ شاعر قید خانے میں محبوس ہے اور محبوب سفر کر رہا ہے شاعر تکلیف میں ہے اس لیے اس نے اختصار کر دیا ہے۔

سوال: ۱۵/ص:۸۵

وأما تَنكيرُه اى تنكيرُ المسندِ اليه فللإفرادِ نحو جاء رجلٌ من أقصى المدينة يسعى او النَوعِيَّةِ نحو وعلى أبصارِهم غِشَاوَةٌ اى نوعٌ من الأغطيةِ وهو غطاءُ التّعامِي عن آيا تِ اللّٰه تعالى وفى المفتاحِ أنه لِلتعظيمِ أى غِشاوَةٌ عظيمةٌ أو التعظيمِ أو التَحقِيرِ كقوله شعر له حاجبٌ عن كل امرٍ يُشينُهُ وليس لهٗ عن طالبِ العُرفِ حَاجبٌ .

ترجمہ: اور مسند الیہ کو نکرہ لانا تو وہ افراد کے لیے ہے جیسے وجاء رجل من اقصی المدینة یسعی" ایک شخص شہر کے کنارہ سے دوڑتا ہوا آیا یا نوعیت کے لیے جیسے وعلی ابصارهم غشاوة یعنی پردوں کی ایک قسم ہے اور وہ اللہ کی آیتوں سے اندھا ہونے کا پردہ ہے اور مفتاح العلوم میں ہے کہ تنکیر تعظیم کے لیے ہے یعنی بڑا پردہ یا تعظیم وتحقیر کے لیے جیسے قائل کا قول شعر اس کے لیے بڑا مانع ہے ہر ایسی چیز سے جو اس کو عیب دار کردے اور اس کے لیے بھلائی کو طلب کرنے والے سے کوئی حقیر سا مانع بھی نہیں ہے۔

(ا) مطلب لکھتے ہوئے بتائیے کہ شعر میں تنکیر تعظیم کے لیے ہے یا تحقیر کے لیے

(ا) یہاں سے مصنفؒ مسند الیہ کو نکرہ لانے کی وجہ بیان کررہے ہیں۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ جب کبھی کسی اسم جنس میں سے کسی ایک فرد غیر معین پر حکم لگانا مقصود ہو تو مسند الیہ کو نکرہ لاتے ہیں جیسے جاء رجل من اقصی المدینة یہاں رجل مسند الیہ کو نکرہ اس بات کو بتانے کے لیے لائے ہیں کہ شہر سے آنے والا ایک ہی مرد تھا دو یا تین مرد نہیں تھے۔

مسند الیہ کو نکرہ لانے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ جب کسی ایک نوع پر حکم لگانا مقصود ہوتا ہے اس وقت بھی مسند الیہ کو نکرہ لاتے ہیں جیسے وعلی ابصارہم غشاوة" یہاں مسند الیہ "غشاوة" ہے جو کہ نکرہ ہے اور یہاں پر پردہ کی ایک قسم مراد ہے وہ اللہ کی آیتوں سے اندھا ہونے کا پردہ ہ مفتاح العلوم کے اندر یہ بھی ہے کہ غشاوۃ میں تنکیر تعظیم کے لیے ہے

یعنی بہت بڑا پردہ ہے تیسری وجہ مسند الیہ کو نکرہ اس وقت لاتے ہیں جب مسند الیہ کی تعظیم یا تحقیر مقصود ہوتی ہے جیسے شعر کے اندر پہلے حاجب میں تنکیر تعظیم کی ہے اور مطلب ہے کہ ایک بڑا مانع اور آخری حاجب میں تنکیر تحقیر کی ہے مطلب ہے کہ کوئی حقیر اور ادنی مانع بھی نہیں ہے۔

## سوال:۵۲/ص:۸۶

**ومِنْ تنكيرِ غيرِه اى غيرِ المسندِ اليهِ للإفرادِ والنَّوعِيَةِ نحو واللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دابَّةٍ مِن مّاءٍ اى كُلَّ فَرْدٍ من أفرادِ الدَّوابِّ من نطفةٍ مُعَيَّنةٍ و كُلُّ نوعٍ من انواعِ الدوابِّ من نوعٍ من انواعِ المِيَاهِ ومن تَنْكِيْرِ غيرهٖ للتَعْظِيْمِ نحو فأْذَنُوا بحربٍ من الله ورسوله .**

(۱) مصنفؒ نے دو تفسیریں کی ہیں آیت کی آپ اس کی وضاحت کریں (۲) دوسری آیت میں محل استشہاد متعین کریں۔

(۱) مصنفؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح مسند الیہ کو نکرہ لاتے ہیں اسی طرح غیر مسند الیہ کو بھی نکرہ لاتے ہیں اور نکرہ لانے کا مقصد کبھی تو افراد و وحدت کو بتلانا مقصود ہوتا ہے اور کبھی نوع کی طرف اشارہ کرنا مطلوب ہوتا ہے جیسے واللہ خلق کل دابة، میں دابۃ یہ غیر مسند الیہ ہے کیوں کہ دابۃ مضاف الیہ ہے اور اسی طرح من ماء بھی غیر مسند الیہ ہے کیوں کہ من حرف جار کا مجرور ہے اور یہ دونوں نکرہ ہیں۔

اور یہاں پر وحدت اور نوع دونوں مراد ہو سکتی ہے وحدت کی صورت میں مطلب ہوگا اللہ نے ایک شخص کو ایک شخص کے نطفہ سے یعنی اس کے باپ کے نطفہ سے پیدا کیا اور نوع کی صورت میں مطلب ہوگا کہ اللہ نے ہر نوع کو ایک نوع سے پیدا کیا مثلاً نوع فرس کو نوع فرس سے پیدا کیا۔

اور اسی طرح غیر مسند الیہ کو نکرہ کبھی تعظیم کے لیے بھی لاتے ہیں جیسے "فاذنو بحرب من اللہ ورسولہ" یہاں پر "بحرب" غیر مسند الیہ ہے چونکہ "ب" حرف جار کا مجرور

ہے اور نکرہ ہے یہاں نکارت تعظیم کے لیے ہے یعنی بڑی جنگ کا اعلان سن لو اور یہی ''بحرب'' محل استشہاد ہے۔

## سوال: ۳/۵۳ص: ۸۹

واما تَوكيدُه اى توكيدُ المُسندِ اليهِ فَللتّقرِيرِ أى لِتَقرِيرِ المسندِ اليه اى تَحقِيقِ مَفهُومِهِ ومَدلُولِهِ اعنى جعلهُ مقرّراً مُحقّقاً ثَابتًا بِحيثُ لايُظَنُّ بِهِ غيرَه نحو جاء نى زيدٌ زيد اذا ظنَّ المتكلّمُ غفلَةَ السَامِعِ مِن سِماعِ لفظِ المسندِ اليه او عَنْ حَمْلِهِ على معناه .

(۱) پوری عبارت کی تشریح کیجیے (۲) مسند الیہ کی تاکید لائی جاتی ہے کبھی دفع توہم التجوز اور دفع توہم السہو کے لیے آپ اس کی وضاحت کریں اور دفع توہم عدم شمول کی بھی وضاحت کریں۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(۱) یہاں سے مصنفؒ مسند الیہ کی تاکید لانے کی وجوہات بیان کر رہے ہیں پہلی وجہ یہ ہے کہ مسند الیہ کو اس طرح ثابت کر دیا جائے کہ سامع کے لیے مسند الیہ کے علاوہ دوسرے کا شبہ نہ رہے جیسا کہ جاءنی زید زید دوسرا زید تاکید کے لیے اس لیے لائے ہیں تاکہ سامع کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو جائے کہ زید کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں آیا، زید ہی آیا ہے یہ تاکید اس وقت لاتے ہیں جب کہ متکلم یہ گمان کرے کہ سامع لفظ مسند الیہ سن نہیں رہا ہے یا مسند الیہ کو اس کی حقیقی معنی پر محمول نہیں کر رہا ہے بلکہ مجازی معنی پر محمول کر رہا ہے۔

جیسا کہ جاء نی اسد اسد متکلم یہ خیال کرے کہ سامع اس سے حقیقی معنی حیوان مفترس مراد نہیں لے رہا ہے بلکہ اس سے بہادر شخص مراد لے رہا ہے۔

(۲) کبھی کبھی مسند الیہ کی تاکید اس لیے لائی جاتی ہے تاکہ متکلم اس کے مجازی معنی مراد نہ لے جیسا کہ قطع اللص الامیر الامیر یہاں دوسرا امیر تاکید کے لیے ہے اور دوسرا امیر اس لیے لائے ہیں کہ سامع یہ گمان نہ کرے کہ متکلم امیر سے اس کا غلام وخادم مراد لے رہا ہے۔

اسی طرح سامع کے اس وہم کو دور کرنے کے لیے کہ متکلم نے غلطی کی ہے مسند الیہ کی تاکید لائی جاتی ہے جیسے جاء نی زید زید، اس مثال میں اگر دوسرا زید مذکور نہ ہو تو اس میں یہ گمان ہوسکتا ہے کہ آنے والا زید کے علاوہ کوئی دوسرا شخص ہے اور متکلم نے غلطی سے زید کا نام ذکر کر دیا ہے۔

اور اس طرح مسند الیہ کی تاکید سامع کے اس وہم کو دور کرنے کے لیے لاتے ہیں کہ یہاں مسند الیہ میں عموم نہیں ہے جاء نی القوم کلھم یہاں کلھم تاکید اس لیے لائے ہیں کہ یہ گمان ہوسکتا ہے کہ آنے والے اکثر ہی افراد ہوں پوری قوم مراد نہ ہو۔

## سوال: ۹۱/۵۴

وأمَّا الإبْدَالُ مِنه أي مِن المسندِ إليهِ فلِزِيَادَةِ التَقْرِيْرِ نَحْوُ جَاءَ نِيْ أَخُوكَ زيدٌ جَاءَ نِيْ القومُ أكثرُهم وسُلِب عمر و ثوبُه .

ترجمہ: بہرحال مسند الیہ کا بدل لانا تو زیادتی تقریر کے لیے ہے جیسے جاء نی اخوک زید جاء نی القوم اکثرھم اور سلب عمر ثوبه.

(۱) بدل لانے کی غرض بیان کرتے ہوئے عبارت کا مطلب لکھیں (۲) بدل کی چاروں اقسام کی تعریف مع مثال بیان کریں (۳) اور یہ بھی بتلائیں کہ مصنفؒ نے یہاں زیادۃ التقریر کیوں کہا جب کہ تاکید کے بیان میں صرف لفظ تقریر لائے ہیں۔

(۱) اس عبارت سے مصنفؒ بدل لانے کی غرض بیان کررہے ہیں مسند الیہ کے بہت سارے احوال ہیں ان احوال میں سے ایک حال مسند الیہ کو بدل لانا بھی ہے بدل لانے کی غرض یہ ہے کہ متکلم مسند الیہ کو خوب زیادہ ثابت اور مضبوط کر سکے۔

(۱) بدل کی چار قسمیں ہیں: (۱) بدل کل، وہ بدل ہے جس میں بدل کی ذات بعینہ مبدل منہ کی ذات ہوتی ہے جیسے جاء نی اخوک زید .

(۲) بدل بعض جس میں بدل کی ذات مبدل منہ کی ذات کا بعض جزء ہوتی ہے جیسے جاء نی القوم اکثرھم یہاں اکثر کل قوم کا جز ہے۔

(۳) بدل اشتمال وہ بدل ہے جس پر مبدل منہ مشتمل ہو جیسے **سلب عمر و ثوبه.**

(۴) بدل غلط وہ بدل ہے جو غلطی کے بعد تصحیح کے لیے واقع ہوتا ہے، جیسے **جاء نی زید حماره .**

(نوٹ) مصنف نے بدل غلط بیان نہیں کیا ہے اس لیے کہ بدل غلط فصیح کلام میں واقع نہیں ہوتا۔

(۳) مصنفؒ نے تاکید کو بیان کرتے ہوئے للتقریر اور بدل کو بیان کرتے ہوئے لزیادۃ التقریر اس لیے کہا کہ انہوں نے علامہ سکاکیؒ کی پیروی کی ہے اس سلسلہ میں جیسا کہ علامہ سکاکیؒ نے اپنی کتاب مفتاح العلوم میں اسی طرح لکھا ہے، اور یہ علاسکاکی کا تفنن ہے، لیکن شارحؒ فرماتے ہیں کہ مصنفؒ اس فرق سے ایک باریک نکتہ کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں وہ نکتہ یہ ہے کہ بدل اور تاکید میں بدل مقصود بالنسبت ہوتا ہے اور تقریر اس کے لیے ایک زائد چیز ہے جو طبعاً حاصل ہوتی ہے اس کے برخلاف تاکید تو اس سے تقریر ہی مقصود ہوتی ہے۔

## سوال: ۵۵/ص: ۹۶

**أمّا تقديمُهُ أى تقديمُ المُسندِ اليهِ فلِكَونِ ذِكرِهٖ أهمَّ وَلاَ يَكْفِى فِىْ التقديمِ مُجرَّدُ ذكرِ الِاهتمامِ بَلْ لابد أن يُبيِّنَ أن الاهتمامَ من أىّ جِهةٍ وبأىِّ سببٍ فلذا فَصّلَهٗ .**

**ترجمہ**: بہرحال مسند الیہ کو مقدم کرنا تو تقدیم اس کے ذکر کے اہم ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے اور کافی نہیں ہے مسند الیہ کو مقدم کرنے سے محض اہتمام کو ذکر کردینا بلکہ ضروری ہے کہ بیان کیا جائے کہ اہتمام کس وجہ سے ہے اور کس وجہ سے اس کو مقدم کیا گیا ہے اس لیے مصنفؒ اس کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔

(۱) تقدیم مسند الیہ کی وجوہات میں کم از کم تین وجوہ مع امثلہ تحریر کیجیے (۲) مصنفؒ نے مندرجہ ذیل شعر کس کے استشہاد میں پیش کیا ہے اور طریق استشہاد کیا ہے؟ والـــذی

حارَتِ البرية فيه ، حيوان مستحدث من جماد.

(۱) مسند الیہ کو مقدم کرنے کے وجوہات :(۱) مسند الیہ کی تقدیم مسرت کو جلدی کرنے کے لیے ہوتی ہے نیک فالی کے طور پر جیسا کہ "سعد فی دارک "اور کبھی مسند الیہ کی تقدیم سامع کو غمگین کرنے کے لیے ہوتی ہے بدشگونی کی وجہ سے جیسے "سفاح فی دارک "یا کبھی تعظیم کے لیے ہوتی ہے جیسے "الاستاذ قائم".

(۲)"والذی حارت البرية فيه ، حيوان مستحدث من جماد" میں تقدیم مسند الیہ خبر کو سامع کے ذہن میں مضبوطی سے جمانے کے لیے ہے اس طور پر جب مسند الیہ مقدم ہوگا تو سامع کے ذہن میں خبر کو سننے کا شوق پیدا ہوگا اور جو چیز شوق کے بعد حاصل ہوتی ہے وہ دل میں راسخ ہو جاتی ہے۔

## سوال:۵۶/ص:۹۷

وإمّا لِتَمكِينِ الخبَرِ في ذهنِ السّامِعِ لأنَّ في المُبتدإ تَشوِيقًا إليهِ اى إلى الخبرِ كقولِهِ شعر، والذي حَارَتِ البريَّةُ فيه ، حيوانٌ مُستحُدثٌ مِنْ جَمادٍ بِدليل ماقبله شعر بانَ أمرا الإلٰهِ واختلف الناسُ فَداعٍ الٰى ضلالٍ وهادٍ.

**ترجمہ**: مسند الیہ کی تقدیم یا تو خبر کو سامع کے ذہن میں راسخ کرنے کے لیے ہے اس لیے کہ مبتداء خبر کا شوق دلاتا ہے جیسا کہ شعر" والذی حارت البرية الخ "اور وہ چیز جس سے مخلوق حیران ہے وہ حیوان ہے جو مٹی سے پیدا ہونے والا ہے (یعنی مخلوق حیران ہے جسم کے ساتھ لوٹانے اور قبروں سے اٹھانے میں جو صرف روحانی نہیں ہے ) ماقبل کی شعر کی دلیل سے اللہ کا معاملہ ظاہر ہو گیا اور لوگ اختلاف کر بیٹھے، کچھ لوگ گمراہی کی طرف بلانے والے ہیں اور کچھ لوگ ہدایت کی طرف۔

(۱) مطلب لکھتے ہوئے مذکورہ شعر میں محل استشہاد کی وضاحت کریں۔

(۱) مصنفؒ یہاں سے مسند الیہ کو مقدم کرنے کی وجہ بیان کر رہے ہیں فرماتے ہیں کہ

جب مسند یعنی خبر کو سامع کے ذہن میں راسخ کرنا اور جمانا ہو اس وقت مبتداء کو مقدم کرتے ہیں کیوں کہ جب مبتداء مقدم ہوگا تو مبتداء کے ذریعہ خبر کا دل میں شوق پیدا ہوگا اور جو چیز شوق کے بعد حاصل ہوتی ہے وہ زیادہ راسخ ہوتی ہے جیسا کہ شعر کے اندر " والذی حارت البریة" مسندالیہ ہے اس کو مقدم کیا اس لیے کہ سامع کے دل میں اس کو سن کر شوق پیدا ہوگا کہ آخر وہ کون سی چیز ہے جس سے مخلوق حیران و پریشان ہے، جب اس کے بعد خبر لائی گئی حیوان مستحدث الخ (اس سے مراد بنی آدم ہیں اور مخلوق جس کے بارے میں حیران ہے وہ ان کا دوبارہ زندہ ہونا ہے) تو سامع کے ذہن میں خوب راسخ ہو جائے گی۔

شارحؒ فرمارہے ہیں کہ حیوان سے مراد بنی آدم اور مخلوق جس کے بارے میں حیران ہے وہ ان کا دوبارہ زندہونا ہے اس کی دلیل ماقبل کا شعر ہے بان أمر الاله الخ یعنی دلائل سے جب اللہ کا معاملہ ظاہر گیا تو لوگوں میں اختلاف ہو گیا چنانچہ کچھ لوگ سیدھی راہ پر رہے اس لیے کہ وہ لوگ بعد المرگ کے قائل ہوگئے اور کچھ لوگ گمراہ ہوگئے اس لیے وہ اس بات کے قائل نہیں ہوئے۔

## سوال: ۵۷/ص: ۹۷

وَقَدْ يُقَدَّمُ المسندُ اِلیهِ لِيُفِيدَ التَقْدِيمُ تَخْصِيصَهُ بِالخبرِ الفِعْلِيِّ أى قَصرَ الخَبرِ الفعليّ عليه إنْ وليَ المسندُ اليه حرفَ النفيِ اى وقعَ بعدهَا بِلا فَصلٍ نحو ما انا قلتُ هذا اى لم أقله مع انّهٗ مقولٌ لغَيْرِى .

**ترجمہ**: اور کبھی مسندالیہ کو مقدم کیا جاتا ہے تا کہ مسندالیہ کی تقدیم فائدہ دے مسند الیہ کی تخصیص کا فعل خبری کے ساتھ یعنی خبر فعلی کے مسندالیہ پر منحصر ہونے کا اگر مسندالیہ حرف نفی سے متصل ہو یعنی مسندالیہ حرف نفی کے بعد واقع ہو جیسے ما انا قلت ہذا یعنی میں نے نہیں کہا میرے علاوہ کا کہا ہوا ہے۔

(۱) مطلب لکھتے ہوئے بتلائے کہ ما انا قلت ہذا ولا غیری" کہنا کیوں صحیح نہیں وضاحت کیجئے۔

(۲) یہاں سے مصنفؒ شیخ عبدالقاہرؒ کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عبدالقاہر نے فرمایا کہ مسند الیہ کو اس لیے مقدم کرتے ہیں تاکہ مسند الیہ کا مقدم کرنا خبر کے ساتھ مسند الیہ کی تخصیص پر دلالت کرے، یعنی یہ بتلانے کے لیے کہ خبر مسند الیہ پر منحصر ہے لیکن یہ دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہے، (۱) خبر فعل ہو اسم نہ ہو (۲) مسند الیہ حرف نفی سے متصل ہو یعنی نفی پہلے ہو اور مسند الیہ بعد میں ہو جیسے **ما انا قلت هذا** اس میں انا مسند الیہ ہے جس سے پہلے حرف نفی داخل ہے اور خبر قلت فعل ہے پس یہاں خبر کو مسند پر منحصر کیا گیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ میں نے اس بات کو نہیں کہا ہے اگرچہ غیر نے کہا ہے۔

"**ماانا قلت هذو لا غيری**" کہنا صحیح اس لیے نہیں ہے کہ "**ماانا قلت**" کا مفہوم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ متکلم کے علاوہ کسی نے کہا ہوگا اور "**و لا غيری**" کا منطوق متکلم کے علاوہ کے قول کی نفی کر رہا ہے پس دونوں میں تضاد ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

## سوال: ۵۸/ص: ۱۰۰

**وَقَد يَأتِى لِتَقوِيَةِ الحُكمِ وتَقرِيرِهٖ فى ذِهنِ السَامِعِ نحو هو يُعطِى الجَزِيلَ و كذا إذا كان الفعل مَنفِيًّا فقد يَاتى التقديم لِلتخصِيصِ وقد يأتى لِلتقوِّى فالأولُ نحو أنت ما سعيتَ فى حَاجتِىْ والثانى نحو أنت لاتكذِب.**

**ترجمہ**: اور کبھی (مسند الیہ کی تقدیم) حکم کی تقویت کے لیے آتی ہے اور اس کو سامع کے ذہن میں ثابت کرنے کے لیے جیسے "**هو يعطى الجزيل**" اسی طرح جب فعل منفی ہو تو کبھی تقدیم تخصیص کے لیے آتی اور کبھی تقویت کے لیے پس پہلے کی مثال "**انت ما سعيت فی حاجتی**" ہے دوسرے کی مثال "**انت لا تكذب**" ہے

(۱) مذکورہ عبارت میں کونسی بحث چل رہی ہے اس کو واضح کرتے ہوئے پوری عبارت کی تشریح کریں۔

(۱) مذکورہ عبارت مسند الیہ کی تقدیم کے سلسلہ میں ہے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اگر مسند الیہ حرف نفی سے متصل نہ ہو تو مسند الیہ کی تقدیم سامع کے ذہن میں حکم کو پختہ اور واضح

کرنے کے لیے ہوتی ہے وہاں تخصیص مقصود نہیں ہوتی ہے جیسے "هو يعطى الجزيل" اس مثال میں اعطاء جزیل کی تحقیق مقصود ہے اس طور پر کہ يعطى فعل کی اسناد هو مبتداء کی طرف ہورہی ہے دوسری اسناد ضمیر مستتر کی طرف ہورہی ہے پس ایسا ہوگیا جیسے "يعطى زيد الجزيل يعطى زيد الجزيل" پس اسناد کا مکرر ہونا اور کسی حکم کا دوبارہ ہونا تقوی حکم کو ثابت کرتا ہے۔

مصنفؒ آگے فرماتے ہیں کہ اگر مسند فعل منفی ہوتو وہاں بھی تقدیم مسند الیہ کبھی تخصیص کے لیے ہوتی ہے تو کبھی تقوی حکم کے لیے ہوتی ہے مثال" انت ماسعيت فی حاجتی" یہ مثال تخصیص کی ہے اس طور پر کہ مسند الیہ ہی سے سعی کی نفی مقصود ہے اور دوسرے کے لیے سعی کو ثابت کرنا مقصود ہے۔

دوسری مثال تقوی حکم کی انت لا تكذب ہے اس میں تقوی حکم اس طور پر ہے کہ "لاتكذب" کی اسناد ایک تو انت مبتداء کی طرف ہورہی ہے دوسری اسناد ضمیر مستتر کی طرف ہورہی ہے اور اسناد کا مکرر ہونا تقوی حکم کو ثابت کرتا ہے۔

## سوال: ۵۹/ص: ۱۰۸

قِيلَ وقد يُقَدَّمُ المسندُ إِليهِ المسوَّرُ بِكُلٍّ على المسندِ المقرونِ بِحرفِ النفى لانه اى التقديمَ دالٌ علىٰ العُمومِ اى على نفى الحُكمِ عن كلِّ فردٍ نحو كلُّ إنسانٍ لم يَقُمْ بِخلافِ مَالَوْ أُخِّرَ نحو لم يَقُمْ كُلّ إنسانٍ فَإنه يُفِيدُ نَفىَ الحُكمِ عن جُملةِ الإفرادِ لاعن كلِّ فردٍ لِئلا يلزم ترجيحُ التَاكيدِ علىٰ التاسيسِ .

**ترجمہ:** کہا گیا ہے کہ کبھی اس مسند الیہ کو مقدم کیا جاتا ہے جس پر لفظ کل کے ذریعہ سور داخل کیا گیا ہو اس مسند پر حرف نفی کے ساتھ ملا ہوا ہو، اس لیے کہ تقدیم دلالت کرتی ہے عموم پر یعنی ہر ہر فرد سے حکم کی نفی پر جیسے كل انسان لم يقم ، برخلاف اس صورت کہ اگر مسند الیہ کو موخر کردیا گیا تو تمام افراد سے حکم کی نفی کا فائدہ دے گا نہ کہ ہر ہر فرد

سے تاکہ لازم نہ آئے تاکید کو ترجیح دینا تاسیس پر۔

(۱) مطلب لکھتے ہوئے تاکید، تاسیس کو سمجھائیے۔

(۱) یہاں سے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر مسند الیہ پر لفظ سور داخل ہو اور خبر منفی ہو تو مسند الیہ کی تقدیم واجب ہے اس لیے کہ اگر مسند الیہ مقدم ہوگا تو عموم سلب کا فائدہ حاصل ہوگا اور ہر ہر فرد سے نفی ہوگی جیسے "کل انسان لم یقم" یہاں مسند الیہ انسان پر حرف "سور کل" داخل ہے اور مسند منفی بھی ہے پس یہاں معنی ہوں گے کہ انسان کا کوئی بھی فرد کھڑا نہیں ہے اور اگر مسند الیہ کو موخر کریں اور مسند کو مقدم کریں جیسے لم یقم کل انسان تو یہاں سلب عموم ہوگا یعنی مجموعہ کی نفی ہوگی ہر ہر فرد کی نفی نہیں ہوگی۔

اب رہی بات کہ مسند الیہ کو مقدم کرنے کی صورت میں ہر ہر فرد سے نفی کیوں ہوتی ہے اور موخر کرنے کی صورت میں مجموعہ سے نفی کیوں ہوتی ہے مصنف فرماتے ہیں کہ اس صورت میں تاسیس کو تاکید پر ترجیح دینا لازم آئے گا حالانکہ تاسیس راجح ہے کیوں کہ تاکید میں اعادہ ہوتا ہے اور تاسیس میں نئے معنی کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

اب تاکید و تاسیس بھی سمجھ لیجئے تاکید سے مراد جو معنی پہلے سے حاصل ہوں لفظ کا اسی معنی پر دلالت کرنا، تاسیس کہتے ہیں لفظ کا نئے معنی پر دلالت کرنا۔

## سوال: ۶۰/ص: ۱۱۳

**وَقَالَ عبدُالقاهرِ إن کَانَتْ کلمةُ کُل داخلةً فی حَیِّزِ النَفی بان اُخِّرتْ عَن أداتِہ سواءٌ کَانَتْ مَعمولُہٗ لأدَاةِ النَفی اولا وسواءٌ کا ن الخبرُ فعلاً نحو مـاکُلُّ یَتَمَنّی المَرءُ یُدرِکُہٗ تَجْرِی الرِیاحُ بما لا تشتَھِی السُفُنُ او غیرَ فِعلٍ نحو قولُک ماکُلُّ مُتَمنّی المرءِ حاصلاً توَجَّہَ النَفیُ الی الشُّمُولِ خَاصَّةً لا الی أصلِ الفِعلِ.**

**ترجمہ:** شیخ عبدالقاہر نے کہا کہ اگر کلمہ "کل" نفی کے تحت واقع ہو بایں طور کہ اس کو اداۃ نفی سے موخر کردیا گیا ہو خواہ اداۃ نفی کا معمول ہو یا نہ ہو خواہ خبر فعل ہو جیسا کہ شعر

ہر وہ چیز جس کی انسان تمنا کرے نہیں اس کو پا سکتا ہے کیونکہ ہوائیں کشتی کے غیر موافق چلتی ہیں یا غیر فعل ہو جیسے تمہارا قول **ما کل متمنی المرء حاصلاً** تو نفی خاص طور پر شمول کی طرف متوجہ ہوگی نہ کہ اصل فعل کی طرف۔

(۱) عبارت کی مکمل تشریح کیجئے۔

(۱) مصنف ؒ فرمارہے ہیں کہ شیخ عبدالقاہر ؒ نے فرمایا کہ کلمۂ کل حرف نفی کے بعد واقع ہو چاہے حرف نفی کا معمول بن رہا ہو یا نہ بن رہا ہو خواہ خبر فعل ہو یا اسم ہو، خبر کے فعل ہونے کی مثال **ما کل یتمنی المرء یدرکہ** یہاں کل ''ما'' کے بعد واقعہ ہے اور اس کی خبر **یدرکہ** فعل ہے یا خبر غیر فعل ہو اس کی مثال **ما کل متمنی المرء حاصلاً** اس مثال میں حاصلاً خبر ہے جو کہ غیر فعل ہے اور اسم فاعل ہے ان تمام صورتوں میں نفی فعل کی نہیں ہوگی اور حکم فعل کے ہر ہر فرد سے منتفی نہیں ہوگا بلکہ مجموعہ کی نفی ہوگی جیسا کہ مثال مذکور کے اندر مطلب یہ ہے کہ تمام انسان اپنی من پسندیدہ چیز نہیں پاتے بلکہ بعض پاتے ہیں اور بعض نہیں پاتے ہیں اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ انسان کا کوئی بھی فرد اپنی پسندیدہ چیز نہیں پاتا کیوں کہ بہت سارے انسان اپنی من پسندیدہ چیز پا لیتے ہیں۔

## سوال: ۶۱/ص: ۱۱۵

**وَعَلَيۡهِ اى عمومُ النفْيِ عن كلِّ فردٍ قوله شعر قد أصبحتْ أُمُّ الخِيارِ تدَّعِيْ عَلَيَّ ذَنبًا كلُّهُ أَصْنَعُ بِرفعِ كلّه على معنىً لم أَصْنَعْ شيئاً مما تدَّعِيْهِ علَيَّ مِنَ الذُنوبِ و لإفادةِ هٰذا المعنى عَدل عَنِ النَصبِ المُستَغنِى عنِ الاضْمارِ الى الرَّفعِ المُفتَقِرِ إلَيۡهِ اى لم أصنعْهُ .**

**ترجمہ:** اور اسی پر یعنی ہر فرد سے عوم نفی پر ابوالنجم کا قول ہے شعر ام خیار نے مجھ پر ایسے گناہ کا دعوی کیا جس کو میں نے بالکل نہیں کیا یعنی میں نے نہیں کیا کچھ بھی اس میں سے جس کا مجھ پر گناہ میں سے دعوی کرتی ہے اور اس معنی کا فائدہ دینے کے لیے شاعر نے اس نصب سے جو ضمیر سے بے نیاز ہے اس رفع کی طرف عدول کیا جو ضمیر کا محتاج ہے۔

(۱) عموم النفی عن کل فرد کے قاعدہ کی وضاحت کرتے ہوئے مطلب تحریر کیجئے۔

(۱) اگر کلمہ ''کل'' نفی پر مقدم ہوا اور فعل منفی کا معمول واقع نہ ہو تو نفی ''کل'' کے مضاف الیہ کی ہر ہر فرد کی ہوگی اور کلام اصل فعل کی نفی کا فائدہ دے گا یعنی اس کلام میں عموم سلب پایا جائے گا مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اس عموم سلب کی مثال میں ابوالنجم کا یہ شعر بھی ہے ''قد اصبحت ام الخیار تدعی علی ذنباً کله لم اصنع'' یہاں شاعر کہنا چاہتا ہے ام الخیار مجھ پر گناہ کا دعوی کرتی ہے لیکن میں نے ان میں سے کوئی بھی گناہ نہیں کیا یہاں شاعر اپنی براءت کا اظہار کرنا چاہتا ہے یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب یہاں ہر ایک گناہ کی نفی ہو پس قرینہ سے بات ثابت ہوگئی کہ یہاں عموم سلب مراد ہے۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ اصل میں کله نصب کے ساتھ تھا لیکن عموم سلب مراد لینے کے لیے کله کو رفع کے ساتھ پڑھا گیا اس صورت میں ضمیر مقدم ماننی پڑے گی کیوں کہ کله مبتداء ہوگا اور لم اضع خبر ہوگی اور خبر جب جملہ ہو اس کے لیے عائد کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔

## سوال:۶۲/ص:۱۱۸

فَان كَانَ الـمُظْهِرُ الذى وُضِعَ مَوْضِعَ المُضْمَرِ إِسْمَ إشارَةٍ فلكمالِ العِنَايةِ بِتَمْيِيْزِ المسندِ إليه لِاخْتصاصِهِ بحكمٍ بديعٍ كقوله شعر كم عاقلٍ عاقلٍ أعيت مَذاهِبُهُ ، وجاهِلٍ جاهلٍ تَلْقاهُ مَرْزُوقًا ، هذا الذى تَرَكَ الأوهام حائرةً وصيَّر العالم النحرِيْرَ زندِيقًا.

**ترجمہ**: اگر اسم ظاہر جس کو اسم ضمیر کی جگہ رکھا جائے اسم اشارہ ہو تو یہ مسند الیہ کو ممتاز کرنے میں غایت اہتمام کے لیے ہوتا ہے اس لیے کہ مسند الیہ انوکھے حکم کے ساتھ خاص ہے جیسے اس کا قول کم عاقل عاقل اعیت الخ بہت سے عقلمند ہیں جن کو رزق کے راستوں نے عاجز کر دیا ہے اور بہت سے جاہل ہیں جن کو تو رزق یافتہ پائے گا یہی وہ چیز ہے جس نے عقلمندوں کو حیران و سرگرداں کر دیا ہے اور باکمال عالم کو زندیق بنا دیا ہے۔

(۱) مطلب تحریر کیجئے (۲) بتائیے کہ اس شعر میں کون سا حکم ہے جس کے لیے ضمیر کی جگہ

اس اشارہ استعمال کیا گیا ہے (۳) وہ حکم بدیع کیا ہے جو مسند الیہ کے لیے ثابت کیا گیا ہے۔

(۱) یہاں سے مصنفؒ فرما رہے ہیں کہ خلاف مقتضی ظاہر میں سے ایک صورت یہ بھی ہے کہ کلام تقاضہ کرتا ہو کہ اسم ضمیر لایا جائے لیکن اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر اسم اشارہ کی شکل میں لایا جائے اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ مسند الیہ کو دوسروں سے مکمل طور پر ممتاز کرنے کے لیے ہوتا ہے کیوں کہ مسند الیہ ایک عجیب اور انوکھے حکم کے ساتھ خاص ہوتا ہے اور وہ عجیب حکم مسند الیہ کے لیے ثابت کیا جاتا ہے جیسا کہ مذکورہ شعر کے دوسرے مصرع کے اندر "ھذا الذی ترک الاوھام" یہاں ھذا مسند الیہ ہے جس کو اسم اشارہ کی شکل میں لایا گیا ہے، اور اس سے اشارہ ایک غیر محسوس چیز کی طرف ہو رہا ہے یعنی عقلمند کے محروم اور جاہل کے مرزوق ہونے کی طرف اس کا تقاضہ یہ تھا کہ اس میں ضمیر لائی جائے کیوں کہ غیر محسوس کی طرف اشارہ ضمیر سے ہوتا ہے نہ اسم اشارہ سے لیکن یہاں پر اسم اشارہ لایا گیا ہے تاکہ مسند الیہ کو دوسروں سے جدا کیا جائے اور اس کا کمالِ اہتمام کیا جائے۔

(۲) اس شعر کے اندر وہ حکم جس کے لیے اسم ضمیر کی جگہ اسم اشارہ استعمال کیا گیا ہے وہ عقلمند کا محروم ہونا اور جاہل کا مرزوق ہونا ہے۔

(۳) اس شعر کے اندر حکم بدیع جو مسند الیہ کے لیے ثابت کیا گیا ہے وہ ہے عقلمندوں کا حیران اور ماہر عالم کا کافر اور زندیق ہونا۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

## سوال: ۶۳ / ص: ۱۱۹

وعَلَيْهِ اى عَلٰى وَضْعِ إِسْمِ الاشَارَةِ مَوضِعَ المُضْمَرِ لِادِّعاء كَمَالِ الظُهُورِ مِنْ غَيْرِ هذا البابِ أى غيرِ بابِ المُسندِ اليهِ تعالَلْتِ كَىْ أَشْجَى ومَابِكِ عِلّةٌ تريدينَ قَتلِي قد ظَفِرْتِ بِذلكَ .

**ترجمہ** : اور اسی پر یعنی اسم اشارہ کو اسم ضمیر کی جگہ رکھنے پر کمال ظہور کا دعوی کرنے کے لیے اس باب کے علاوہ سے یعنی مسند الیہ کے باب کے علاوہ سے یہ شعر ہے تو بیمار ہوگئی ہے تاکہ میں غمگین ہوں تجھے کوئی بیماری نہیں ہے تو میرا قتل کرنا چاہتی ہے تحقیق کہ تو اس میں

کامیاب ہوگئی ہے۔
(ا) مطلب لکھتے ہوئے محل استشہاد متعین کیجئے، اور بتایئے کہ اسم اشارہ کی جگہ اسم ضمیر کیوں ہونی چاہیے تھی؟ اوراس سے عدول کی وجہ کیا ہے؟۔
(ا) مصنفؒ یہاں فرمارہے ہیں کہ کبھی کبھی مسند الیہ کے علاوہ میں بھی اسم ضمیر کی جگہ اسم اشارہ کو لایا جاتا ہے اوراس لیے لایا جاتا ہے تاکہ یہ بتلایا جائے کہ وہ مکمل طور پر ظاہر ہے، جیسا کہ کہ اس شعر کے آخر میں "قد ظفرت بذلک" اصل میں "بہ" ہونا چاہیے تھا کیوں کہ اس سے اشارہ قتل کی طرف ہورہا ہے جو غیر محسوس ہے لیکن شاعر نے کمال ظہور کا دعوی کرنے کے لیے اور یہ بتلانے کے لیے قتل محسوس کی طرح بالکل ظاہر ہے اسی وجہ سے اسم ضمیر کی جگہ اسم اشارہ لایا۔

## سوال:۶۴/ص:۱۱۹

وان كَان الـمُظهَرُ الذى وُضِعَ مَوضِعَ المُضمَرِ غيرَه اى غيرَ اسمِ الاشَارَةِ فَلِزِيَادَةِ التَّمكُّنِ نحو قُلْ هُوَ اللّٰهُ أحَدُ اللّٰهُ الصمد ونظيرُهُ من غيره وبالحق انزلناه وبالحق نزَل وادخالِ الرَّوعِ فى ضمير السَّامِعِ وتربيةِ المَهَابَةِ او تقويَةِ داعِى المامُورِ ومثالُهُمَا قولُ الخُلفاءِ اميرُ المومنينَ يَأمُرُك بكذا مكانَ انا آمرك .

**ترجمہ**: اوراگر وہ اسم ظاہر جس کو اسم ضمیر کی جگہ رکھا گیا ہے اسم اشارہ کے علاوہ ہوتو مسند الیہ کو سامع کے ذہن میں راسخ کرنے کے لیے ہوتا ہے جیسے قل ھو اللہ احد الخ اوراس کی نظیر اسم اشارہ کے علاوہ سے وبالحق انزلناہ الخ ہے اور سامع کے دل میں دہشت ڈالنے کے لیے یا ہیبت بڑھانے کے لیے یا داعی مامور کو قوی بنانے کے لیے ہوتا ہے اوران دونوں کی مثال خلفاء کا قول ہے "امیر المومنین یامرک بکذا" "انا آمرک" کی جگہ۔

(ا) ماقبل سے ربط بیان کرتے ہوئے مطلب لکھیں (۲) صمد کسے کہتے ہیں (۳)

نظیرہ میں ضمیر کا مرجع متعین کریں (۴) ادخال الروع کا معطوف علیہ بھی لکھیں (۵) مثالھما میں ضمیر کا مرجع متعین کریں۔

(۱) اس سے قبل مصنفؒ نے بیان کیا تھا کہ کبھی اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لایا جاتا ہے، تو کبھی اسم اشارہ کی شکل میں ہوتا ہے جس کا بیان ماقبل میں گذر چکا اور کبھی اسم ظاہر اسم اشارہ کے علاوہ ہوتا ہے اس کو مذکورہ عبارت میں مصنفؒ بیان فرمارہے ہیں۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اگر اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ اسم اشارہ کے علاوہ علم وغیرہ کی صورت میں لایا جاتا ہے تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ متکلم سامع کے ذہن میں مسند الیہ کو خوب راسخ اور مضبوط کردے جیسے ''قل هو الله احد الله الصمد'' میں تقاضہ یہ تھا کہ هو الصمد کہا جاتا لیکن ہو اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر اس لیے لائے ہیں تاکہ اللہ کو سامع کے ذہن میں راسخ کیا جاسکے آگے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح ''قل هو الله احد'' میں اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ میں لایا گیا تھا اسی طرح غیر مسند الیہ میں بھی اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو سامع کے ذہن میں مسند الہ کو راسخ کرنے کے لیے لایا جاتا ہے جیسے ''وبالحق انزلناه وبالحق نزل '' اس میں محل استشہاد دوسرا بالحق ہے یہاں بہ ہونا چاہیے تھا کیوں کہ اس کا ذکر ماقبل میں ہو چکا ہے اور اسی طرح سامع کے دل میں دہشت ڈالنے اور عظمت بڑھانے اور کبھی آمر کی تقویت کے لیے اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ لاتے ہیں جیسے کوئی حاکم کہے '' امیر المومنین یا مرک بکذا '' حالانکہ خود امیر جب متکلم ہے تو اس کو أنا کہنا چاہیے تھا لیکن سامع کو ڈرانے کے لیے اور عظمت ڈالنے کے لیے اور اس بات کو بتلانے کے لیے کہ تم میری بات پر عمل کرو اس لیے اسم ظاہر کو استعمال کیا ہے۔

(۲) صمد کے لغوی معنی ارادہ کرنا، اور صمد اس ذات کو کہتے ہیں جس ذات کا ضرورت کے وقت ارادہ کیا جائے۔

(۳) نظیرہ کی ضمیر کا مرجع ''قل ہو اللہ احد'' ہے۔

(۴) ادخال الروع کا معطوف علیہ فلزیادۃ التمکن ہے۔

(۵) **مثالهما** کا مرجع ادخال الروع اور تقویۃ داعی المامور ہے یعنی ان دونوں کی مثال ایک ہے۔

## سوال: ۶۵/ص: ۱۲۰

**قَالَ السَّکَّاکِیُ هذا أعنِی نَقلَ الکلامِ من الحِکَایَةِ الی الغَیْبَةِ غیرُ مُختصٌ بالمُسندِ الیه وَلا النقلَ مُطلقاً بِهذا القَدرِ ای بأن یکونَ مِن الحِکَایَةِ إلی الغِیبةِ ولا یخلوا العبارةُ عن تَسامُحٍ بل کلُّ من التکلمِ والخِطابِ والغَیبةِ مطلقاً یَنْقُلِ الی الأخرِ.**

**ترجمه:** سکاکی نے کہا یہ یعنی کلام کو منتقل کرنا تکلم سے غیبت کی طرف مسند الیہ کے ساتھ خاص نہیں ہے اور نہ مطلقاً نقل کرنا اسی مقدار کے ساتھ یعنی اس طور پر کہ تکلم سے غیبت کی طرف ہو اور تسامح سے عبارت خالی نہیں ہے بلکہ تکلم، خطاب، غیبت میں سے ہر ایک مطلقاً یعنی خواہ وہ مسند الہ میں ہو یا مسند میں دوسرے کی طرف نقل ہوتے ہیں۔

(۱) مطلب لکھتے ہوئے التفات کی تمام صورتیں لکھیں مع مثال۔

(۱) اس سے قبل مصنفؒ نے اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو رکھنے کی دو مثالیں ذکر فرمائی تھیں ان دونوں مثالوں میں انا ضمیر متکلم کی جگہ اسم ظاہر لایا گیا تھا اور اسم ظاہر غائب کے حکم میں ہوتا ہے جیسے **الهی عبدک العاصی** میں اصل "**انا العاصی**" تھا لیکن ضمیر متکلم کی جگہ اسم ظاہر لائے جو غائب کے حکم میں ہوتا ہے اور اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لانا یہ مسند الیہ میں تھا۔

علامہ سکاکیؒ فرماتے ہیں کہ اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لانا یہ مسند الیہ کے علاوہ میں بھی ہوسکتا ہے جیسے **فتوکل علی اللّٰہ** میں اصل میں "**فتوکل عَلَیَّ**" ہونا چاہیے تھا علامہ سکاکیؒ فرماتے ہیں کہ صرف کلام میں تکلم سے غیبت کی طرف ہی التفات نہیں ہوتا ہے بلکہ غیبت سے تکلم کی طرف بھی ہوتا ہے اور اس کے علاوہ بھی ہوتا ہے پس چھ صورتیں ہو جائیں گی۔

(۱) تکلم سے غیبت کی طرف جیسے "الھی عبدک العاصی "اصل میں انا العاصی تھا۔

(۲) تکلم سے خطاب کی طرف جیسے "ومالی لاأعبدالذی فطرنی والیہ ترجعون "اصل میں "ارجع "ہونا چاہیے تھا۔

(۳) خطاب سے تکلم کی طرف جیسے "طحابک قلب فی الحسان طروب بعید الشباب عصر حان یکلفنی لیلی "اس مثال میں التفات خطاب سے تکلم کی طرف ہے اس طور پر کہ شاعر نے طحابک سے خطاب کیا ہے پھر یکلفنی سے متکلم کا صیغہ استعمال کیا ہے اصل میں یکلفک ہونا چاہیے تھا۔

(۴) خطاب سے غیبت کی طرف جیسے اللہ کا قول "حتی اذا کنتم فی الفلک وجرین بھم "اصل میں بکم ہونا چاہیے تھا۔

(۵) غیبت سے تکلم کی طرف جیسے "اللّٰہ الذی ارسل الریاح فتثیرُ سحاباً فسقناہ "اصل میں ساقہ ہونا چاہیے تھا۔

(۶) غیبت سے خطاب کی طرف جیسے اللہ کا قول "مالک یوم الدین ایاک نعبد "اصل میں ایاہ ہونا چاہیے تھا۔

## سوال: ۶۶/ص: ۱۲۹

وَمنہ ای خلافِ مُقتضَی الظاھرِ القَلبُ وھو أن یُجعلَ أحدُأجزاءِ الکلامِ مکانَ الاخرِ والأخرُ مکانَہٗ نحو عرضتُ الناقَۃَ عَلی الحوضِ مکانَ عرضتُ الحوضَ علی الناقۃِ وَقبِلَہٗ السکاکیُّ مُطلقاً وردَّہ غیرُہٗ مُطلقاً والحقُّ أنہ إن تضمَّنَ إعتباراً لطیفاً قُبِلَ کقولہ شعر ومھمۃٌ مَغبَرَۃٌ أرجاءُ ہٗ کانَّ لَونَ أرضِہٖ سماؤہٗ.

**ترجمہ** : اور اسی میں سے یعنی خلاف مقتضی ظاہر میں سے قلب ہے اور وہ یہ ہے کہ کلام کے اجزاء میں سے ایک کو دوسرے کی جگہ اور دوسرے کو اس کی جگہ کر دیا جائے جیسے

"عرضت الناقة على الحوض"،عرضت الحوض على الناقة کی جگہ اور سکاکیؒ نے قلب کومطلقاً قبول کیا ہے اور سکاکیؒ کے علاوہ نے مطلقاً رد کیا ہے اور حق بات یہ ہے کہ اگر متضمن ہو اعتبار لطیف کو اس ملاحت کے علاوہ جس کو نفس قلب نے پیدا کیا ہے تو قبول کرلیا جائے گا جیسا کہ شعر ومهمة ومغبرة الخ

بہت سے ایسے چٹیل میدان ہیں جن کے کنارہ غبار آلود ہیں گویا کہ اس کی زمین کا الگ اس کی آسمان کا رنگ ہے۔

(۱) قلب کی لغوی اور اصطلاحی تعریف کیجئے، (۲) اس قلب کے سلسلہ میں سکاکیؒ، جمہور اور صاحب متن کی رائے مع الدلیل لکھئے اور مذکورہ شعر میں اعتبار لطیف کو بھی واضح کیجئے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(۱) قلب کے لغوی معنی پلٹنا اور اصطلاحی معنی کلام کے ایک جزء کو دوسرے کی جگہ اور دوسرے کو پہلے کی جگہ کر دیا جائے جیسے عرضت الناقة على الحوض ،اصل میں عرضت الحوض على الناقة تھا، کیوں کہ معروض علیہ کے لیے ذی شعور ہونا ضروری ہے، حوض اور ناقہ میں ناقہ ذی شعور ہے لہذا ناقہ ہی معروض علیہ ہوگی اور پہلی مثال میں حوض معروض علیہ ہے لہذا وہ قلب کی مثال بنے گی۔

(۲) قلب کے قبول ہونے یا نہ ہونے میں تین اقوال ہیں:

(۱) علامہ سکاکیؒ کے نزدیک قلب ہر حال میں قبول ہے خواہ اعتبار لطیف ہو یا نہ ہو کیوں کہ قلب کے اندر ملاحت پیدا ہوتی ہے۔

(۲) جمہور کے نزدیک قلب ہر حال میں قبول نہیں ہے خواہ اس میں اعتبار لطیف ہو یا نہ ہو ان کی دلیل یہ ہے کہ قلب کے اندر مطلوب کا عکس ہوتا ہے لہذا یہ جائز نہیں ہونا چاہیے۔

(۳) مصنفؒ کے نزدیک اگر قلب کے اندر ملاحت کے علاوہ اعتبار لطیف ہو تو قلب قبول ہے اور اگر اعتبار لطیف نہ ہو تو قلب قبول نہیں ہے جیسا کہ مذکورہ شعر کے اندر

ومہمۃ ومغبرۃ الخ اس میں قلب آخری مصرع میں ہے اور وہ کأنّ لون ارضہ وسماؤہ ہے اصل میں ہونا چاہیے تھا "لون سمائه لون ارضها" یعنی آسمان کا رنگ زمین کے رنگ کی طرح غبار آلود ہونے کی وجہ سے ہے یہاں شاعر نے الٹا کہدیا کہ زمین کا رنگ آسمان کی رنگ کی طرح ہو گیا یہاں اعتبار لطیف آسمان کے غبار آلود ہونے میں مبالغہ پیدا کرنا ہے۔

## سوال: ۱۳۰/۶۷

أحوالُ المسندِ أمّا تركهُ فلِما مرَّ فِي حَذْفِ المُسْنَدِ إليهِ كقوله شعر ومن يكُ أمسى بِالمَدِينَةِ رَحْلُهُ فإنّي وقيّارٌ بها لغريبُ وكقوله شعر نحن بما عِنْدَنا وانت بما عندك راضٍ والرأيُ مختلفٌ.

**ترجمه** : مسند کے احوال: بہر حال مسند کو ترک کرنا ان اسباب کی وجہ سے ہے جو مسند الیہ کے حذف میں گذر چکے ہیں اس کا قول شعر "ومن یک امسی بالمدینة رحله فانی وقیار بها لغریب" اور جس شخص کا ٹھکانہ مدینہ میں ہو گیا میں اور قیار اس میں اجنبی ہیں جیسا کہ شعر جو ہمارے پاس ہے ہم اس سے اور جو تمہارے پاس ہے تم اس سے خوش ہیں اور رائے مختلف ہے۔

(۱) رحل وقیار کی مراد لکھیں (۲) مطلب لکھتے ہوئے اشعار میں مسند محذوف کی تعیین کریں۔

(۱) رحل سے مراد ٹھکانہ اور منزل قیار یا تو شاعر کے گھوڑے کا نام ہے یا اونٹ کا۔

(۲) مصنفؒ مسند کے احوال بیان فرما رہے ہیں مسند کے احوال میں سے ایک حال مسند کو حذف کرنا ہے تو مسند کو حذف کرنا بھی انہیں اسباب اور وجوہات کی وجہ سے ہوتا ہے جن وجوہات کی وجہ سے مسند الیہ کو حذف کیا جاتا ہے یعنی کبھی اختصار مطلوب ہوتا ہے کبھی ظاہر پر بناء کرتے ہوئے عبث سے احتراز مقصود ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ، پہلے شعر کے اندر محل استشہاد دوسرا مصرع ہے یعنی فانی وقیار بها لغریب اس مصرع کے اندر إنّ حرف مشبہ بفعل ہے "ی" مسند الیہ ہے اس کی خبر لغریب ہے اور قیار مسند الیہ ہے اس کی خبر محذوف

ہے کیوں کہ خبر پر لام ابتداء داخل ہے اور لام ابتداء اس خبر پر داخل نہیں ہوتا ہے جس مبتداء پر ان نہ ہو معلوم ہوا کہ یہاں قیار کی خبر محذوف ہے اور لغریب اس کی خبر نہیں ہے اور یہاں خبر کا محذوف کرنا یا تو اختصار کی وجہ سے ہے یا تو ظاہر پر بناء کرتے ہوئے عبث سے بچنے کے لیے یا تو وزن شعری کی وجہ سے اور اس کے علاوہ۔

دوسرے شعر کے اندر پہلے نحن کی خبر محذوف ہے اور تقدیری عبارت ہے ''نحن راضون بما عندنا'' اس شعر کے اندر بھی خبر محذوف ہونے کی وجوہات اختصار اور احتراز عن العبث وغیرہ ہیں یہاں قرینہ یہ ہے کہ راض جو بعد میں آیا ہے چونکہ واحد ہے اور نحن جمع کا صیغہ ہے لہذا مطابقت نہ ہونے کی وجہ سے خبر نہیں لائی گئی۔

## سوال: ۶۸/ص: ۱۳۳

وَلابُدَّ لِلحَذْفِ من قَرِينةٍ كَوُقُوعِ الكَلامِ جوابًا لِسُؤالٍ مُحقَّقٍ نحو وَلئِنْ سألتَهُم مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالارْضِ لَيقُولَنَّ اللّٰه أو مقدرٍ ولِيُبْكَ يَزِيدُ ضارعٌ لخصومةٍ.

**ترجمہ**: مسند کو حذف کرنے کے لیے کسی قرینہ کا موجود ہونا ضروری ہے جیسے کسی کلام کا سوال محقق کے جواب میں واقع ہونا جیسے ولئن سألتھم الخ یا سوال مقدر کے جواب میں واقع ہونا جیسے ولیبک یزید الخ چاہیے کہ یزید پر رویا جائے جھگڑے کے وقت عاجز رہنے والا شخص۔

(۱) مطلب لکھتے ہوئے دونوں مثالوں میں محل استشہاد متعین کیجئے (۲) سوال محقق او رمقدر کی تعریف کیجئے اور بتلائیں کہ اللہ آیت مذکورہ میں فاعل واقع ہے یا مبتداء ہے اور اس کی خبر محذوف ہے؟

(۱) مصنفؒ فرماتے ہیں کہ کلام کے اندر اصل مسند اور مسند الیہ کا موجود ہونا ہے لیکن کبھی کبھی خلاف اصل مسند کو حذف کر دیتے ہیں لہذا حذف کے لیے کوئی ایسا قرینہ موجود ہونا ضروری ہے جس سے معلوم ہو جائے کہ یہاں پر مسند محذوف ہے مسند کے حذف کے

قرینہ میں سے ایک قرینہ یہ ہے کہ مسند سوال محقق کے جواب میں واقع ہو، تو وہاں پر بھی مسند کو حذف کر دیتے ہیں کیوں کہ سوال محقق وہاں قرینہ ہوتا ہے کہ یہاں مسند محذوف ہے جیسے اللہ تعالی کا ارشاد ہے ولئن سألتهم من خلق السموت والارض یہ سوال محقق ہے اس کے جواب میں خلقهن الله ہونا چاہیے تھا، لیکن مسند کو حذف کر دیا، کیوں کہ سوال میں مسند موجود تھا اور اسی طرح کبھی قرینہ مقدر ہوتا ہے، یعنی وہ کلام اگر سوال مقدر کا جواب واقع ہو تو وہاں بھی مسند کو حذف کر دیتے ہیں جیسے شعر ولیبک یزید الخ یزید پر رویا جائے اب سوال پیدا ہوا "من یبکی" کون روئے جواب میں فعل موجود تھا اور وہی قرینہ ہوا۔

(۲) سوال محقق سے مراد وہ سوال ہے جو کلام میں موجود ہو اور بالفعل اس کا تکلم ہو سکتا ہو اور سوال مقدر سے مراد وہ سوال ہے جو کلام میں موجود نہ ہو اور بالفعل اس کا تکلم نہ ہو سکتا ہو۔

اور آیت مذکورہ میں اللہ فاعل واقع ہے کیوں کہ قرآن کریم میں اکثر مقامات میں فاعل ہی بنا کر لایا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے "ولئن سالتهم من خلق السموت والارض ليقولن خلقهن العزيز العليم"

## سوال: ۱۳۵/۶۹

وَأَمَّا إِفْرادُه أي جَعلُ المُسندِ غيرَ جُمْلةٍ فَلِكَونِهِ غير سَببيٍّ مع عَدَمِ إِفَادتِهِ لِتقوّى الحُكم إذ لو كَانَ سَبَبِياً نحو زَيدٌ قام أبوه او مفيداً للتقوى نحو زيد قام فهو جُملةٌ قطعاً والمراد بالسببى نحو زيد ابوه منطلقٌ وكذا زيدٌ اِنُطلق أبوه.

**ترجمہ:** اور بہر حال مسند کا مفرد لانا یعنی جملہ نہ ہونا تو وہ مسند کے غیر سببی ہونے کی وجہ سے ہے حکم کا فائدہ نہ دینے کے ساتھ اس لیے کہ اگر سببی ہو جیسے "زید قام ابوه، یا تقوی کے لیے مفید ہو جیسے زید قام تو جملہ سے یقینی طور پر مراد سببی ہے جیسے" زید ابوه

منطلق "اوراسی طرح" زید انطلق ابوہ " ہے۔

(۱) مطلب لکھتے ہوئے بتلائے کہ زید قائم مفید تقوی ہے یا نہیں (۲) مسند سببی او رتقوی کی جامع تعریف کر کے بتلایئے کہ مندرجہ ذیل مثالوں میں کس کس میں مسند سببی ہے اور کس کس میں نہیں ہے زید منطلق ابوہ ، قل ھو اللہ احد، زید قام ، زید ھو قائم ، زید ابوہ قائم، زید قام ابوہ ، زید مررت بہ ،زید ضربت عمراً فی دارہ ، زید ضربتہ .

(۱) مصنفؒ یہاں سے مسند کو مفرد لانے کی وجہ بیان فرمارہے ہیں فرماتے ہیں کہ مسند مفرداس وقت ہوگا جب کہ مسند غیر سببی ہواور تقوی حکم مقصود نہ ہو کیوں کہ اگر مسند سببی ہوگا جیسے "زید قام ابوہ " یا مفید تقوی ہوگا جیسے "زید قام "توان دونوں صورتوں میں مسند کا جملہ ہونا ضروری ہے مسند مفرد نہیں ہوسکتا، مصنفؒ نے سببی کی مثال دی ہے تعریف نہیں کی، سببی کی مثال "زید ابوہ منطلق " ہے۔

زید قائم ،مفید تقوی نہیں ہے بلکہ " زید قام " کے تقوی کے اندر قریب ہے اس طور پر کہ دونوں کے اندر ضمیر عائد ہے۔

(۲) مسند سببی وہ جملہ ہے جو مبتداء کی خبر واقع ہواور اپنے عائد پر مشتمل ہو جواس جملہ میں مسند الیہ نہ بن رہا ہو، جیسے "زید ابوہ منطلق " میں "ابوہ منطلق "مسند سببی ہے اس میں اگر چہ عائد ہے لیکن مسند الیہ ہونے کی حیثیت سے نہیں ہے۔

تقوی حکم اس کو کہتے ہیں جس میں مکرر اسناد کی وجہ سے کلام کے اندر پختگی آجائے۔

زید منطلق ابوہ میں مسند سببی نہیں ہے کیوں کہ یہ مفرد ہے جملہ نہیں ہے اور قل ھو اللہ احد میں مسند سببی نہیں ہے اگر چہ اس میں مسند جملہ ہے لیکن مبتداء کے ساتھ کوئی عائد نہیں ہے۔

زید قام مسند سببی نہیں ہے کیوں کہ اگر چہ اس میں مسند جملہ بھی ہے عائد بھی ہے لیکن عائد مسند الیہ بن رہا ہے؛ لیکن یہاں تقوی حکم موجود ہے۔

اسی طرح زید هو قائم یہ بھی مسند غیر سببی ہے کیوں کہ اس میں بھی عائد مسند الیہ بن رہا ہے" زید ابوه قائم" اور" زید قام ابوه" اور" زید مررت به "،"زید ضربت عمروا في داره"، "زید ضربته " تمام کی تمام مثالیں مسند سببی کی ہیں کیوں کہ ان تمام مثالوں میں مسند جملہ ہے اور عائد بھی ہے اور عائد مسند الیہ نہیں بن رہا ہے۔

## سوال: ۷۰/ص: ۱۳۷

وَأَمَّا كَونُهُ أي المُسنَدِ فِعلاً فلتقييدهِ اى تقييدِ المُسندِ باحدِ الأزمِنةِ الثلاثةِ على أخصرِ وَجهٍ ولَمَّا كَانَ التَجدُّدُ لازمًا للزمانِ لكونِه كمًّا غيرَ قارِ الذاتِ والزمانُ جزءٌ مِن مَفهومِ الفِعل ، كان الفعلُ مع إفادتِهِ التقييدباحد الأزمِنةِ مفيدا للتجدُّدِ وإليهِ أشار بقوله مع إفادة التجدُّدِ لقوله شعر أو كُلَّمَا وَرَدَتْ عُكَاظَ قَبِيلَةٌ بعثُوا إلَيَّ عَرِيفَهُم يَتوسَّمُ.

**ترجمہ**: بہر حال مسند کا فعل ہونا تو مسند کو تینوں زمانوں میں سے کسی ایک کے ساتھ اختصار کے طریقے پر مقید کرنے کے لیے ہے اور چونکہ تجدد زمانہ کو لازم ہے اس لیے کہ زمانہ کم غیر قار الذات ہے اور زمانہ فعل کے مفہوم کا جزء ہے اور فعل اس کے تقیید کا فائدہ دینے کے ساتھ ساتھ تینوں زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ کے ساتھ تجدد کے لیے مفید ہوگا اور اسی کی طرف اشارہ کیا ہے ماتن نے اپنے قول مع افادة التجد د سے جیسا کہ شعر جب عکاظ میں کوئی قبیلہ آتا ہے تو میری طرف اپنے ترجمان کو بھیجتا ہے اور وہ مجھکو بار بار پہچاننے کی کوشش کرتا ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(۱) پوری عبارت کی تشریح کرتے ہوئے شعر میں محل استشہاد متعین کریں۔

(۱) مصنفؒ فرماتے ہیں کہ مسند کے احوال میں سے ایک حال مسند کو فعل کے ساتھ لانا ہوتا ہے یہ اس وقت کیا جاتا ہے جب مسند کو تینوں زمانوں یعنی ماضی، حال، مستقبل میں سے کسی ایک زمانہ کے ساتھ اختصار کے طریقہ پر مقید کرنا ہوتا ہے اور ساتھ میں تجدد کا فائدہ

حاصل کرنا ہوتا ہے کیوں فعل ہی ایسا کلمہ ہے جو اپنی ہیئت کے ساتھ بغیر کسی قرینہ کے زمانہ پر دلالت کرتا ہے برخلاف اسم کے کیوں کہ وہ کسی قرینہ کے ساتھ زمانہ پر دلالت کرتا ہے۔

**ولما کان:** سے مصنفؒ فعل کے مفید تجدد ہونے کی دلیل بیان کر رہے ہیں تجدد کے دو معنی آتے ہیں کسی چیز کا معدوم ہونے کے بعد حاصل ہو جانا اور کسی چیز کا بطریق استمرار تھوڑا تھوڑا حاصل ہونا تجدد پہلے معنی کے اعتبار سے فعل کے مفہوم میں معتبر ہے اور تجدد دوسرے معنی کے اعتبار سے زمانہ کو لازم ہے زمانہ اصطلاح میں اس کم کو کہتے ہیں جو غیر قار الذات ہو اور غیر قار الذات کا مطلب یہ ہے کہ اس کے وجود میں اس کے اجزاء ایک ساتھ جمع نہ ہو سکتے ہوں لہذا زمانہ کا کم غیر قار الذات ہونا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ زمانہ کے لیے تجدد لازم ہے اور زمانہ فعل کے مفہوم کا جزء ہے پس زمانہ کے واسطہ سے تجدد فعل کو لازم ہو گا مذکورہ شعر کے اندر محل استشہاد یتوسم ہے جو فعل کے بار بار ہونے کو بتلا رہا ہے۔

## سوال: ۱۷/ص: ۱۳۸

**وَأما كونُه اى المسندِ إسمًا فلإفادةِ عَدَمِها أى عدمِ التَقْيِيدِ المذكورِ والتجدُّدِ كقولِهِ لا يالفُ الدرهمَ المضروبَ صُرّتُنا لكن يمرُّ عليها وهو منطلقٌ قال الشيخ موضوعُ الإسم على أن يثبتَ بِهِ الشئُ للشئِ من غيرِ إقتضاءِ أنه يتجددُ ويحدثُ شيئًا فشيئًا.**

**ترجمہ:** اور بہر حال مسند کا اسم ہونا تو تقیید اور تجدد کا فائدہ نہ دینے کے لیے ہے جیسا کہ اس کا قول ہماری تھیلی درہم سے محبت نہیں رکھتی لیکن وہ درہم تھیلی پر چلتے ہوئے گذر جاتے ہیں شیخ عبدالقاہرؒ نے کہا اسم کی وضع اس لیے ہے کہ کسی چیز کو دوسری چیز کے لیے ثابت کیا جائے بغیر اس بات کے اقتضاء کے کہ وہ متجدد ہوتی ہے اور تھوڑی تھوڑی ہوتی ہے۔

(۱) مطلب لکھتے ہوئے محل استشہاد متعین کریں (۲) شیخ کے کلام کو ذکر کرنے کی وجہ بیان کریں۔

(۱) مصنفؒ فرماتے ہیں کہ مسند کے احوال میں سے ایک حالت مسند کو اسم لانا ہے اور یہ اس وقت لاتے ہیں جب کہ تجدد اور تینوں زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ کے ساتھ مقید کرنا مقصود نہ ہو بلکہ دوام و استمرار مقصود ہو جیسا کہ مذکورہ مثال کے اندر ''وھو منطلق'' اسم ہے اور مسند ہے اس بات کو بتلانے کے لیے لائے ہیں کہ درہم کے لیے تھیلی پر چلنا دائمی طور پر ثابت ہے۔

(۲) شیخ عبدالقاہرؒ کے قول ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ شیخ اور مصنف کے کلام میں تعارض ہو رہا ہے اس طور پر شیخ نے کہا کہ اسم کی وضع صرف مسند کو مسند الیہ کے لیے ثابت کرنے کے لیے ہے اس میں تجدد اور استمرار نہیں ہوتا ہے اور مصنفؒ کے کلام سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اسم کے اندر استمرار اور دوام ہوتا ہے اور اس میں کھلا ہوا تعارض ہے اس کا جواب یہ ہے کہ شیخ کا کلام اصل وضع کے اعتبار سے ہے اور مصنفؒ کا کلام قرائن خارجیہ کے اعتبار سے ہے۔

## سوال: ۲/۷ ص: ۱۳۹

وَأَمَّا تَقييدُ الفِعلِ وَمَا يُشْبِهُهَا من إسمِ الفاعلِ والمفعولِ وغيرِها بمفعولٍ مطلقٍ او به او فيه اوله او معه ونحوِه من الحالِ والتميزِ والإنشاءِ فلِتربيةِ الفائدةِ لأنّ الحكم كُلّما زاد خصوصاً زاد غرابةً وكلما زاد غرابةً زاد إفادةً .

**ترجمہ**: اور بہرحال فعل اور جو فعل کے مشابہ ہے اسم فاعل اور مفعول اور ان دونوں کے علاوہ میں سے ان کو مقید کرنا مفعول مطلق یا مفعول بہ یا مفعول لہ یا مفعول معہ اور ان جیسی چیزیں حال، تمیز اور استثناء کے ساتھ یہ فائدہ زیادہ کرنے کے لیے ہیں اس لیے کہ جب حکم میں کوئی قید بڑھتی ہے تو غرابت میں زیادہ ہوتا ہے اور جب غرابت زیادہ ہوگا تو فائدہ زیادہ ہوگا۔

(۱) مطلب بیان کرتے ہوئے فعل اور شبہ فعل کو مفعول وغیرہ کے ساتھ مقید کرنے کی

مثالیں بھی لکھیں۔

(۱) مصنفؒ فرماتے ہیں کہ مسند کے احوال میں سے ایک حال یہ بھی ہے کہ مسند کو یعنی فعل اور شبہ فعل کو چند چیزوں میں سے کسی ایک کے ساتھ مقید کیا جائے مثلاً مفعول مطلق کے ساتھ جیسے اکرمت اکرام اھل العلم مفعول بہ "حفظت القرآن" مفعول فیہ "قرأت بمدینہ" مفعول لہ "تطھرت تعظیما للحدیث" مفعول معہ "ذھبت انا وخالد" حال جیسے "جئت راکباً" تمیز جیسے طبت نفساً استثناء جیسے "لاأحب الا الصالحین" ان چیزوں کے ساتھ مقید کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جب کلام کے اندر قید بڑھتی ہیں تو اس میں غرابت زیادہ ہوتی ہے اور جب غرابت زیادہ ہوتی ہے تو فائدہ بھی زیادہ ہوتا ہے۔

## سوال:۳۰۷/ص:۱۴۲

وَلِذلکَ أی لأنّ أصلَ إنْ عدمُ الجَزمِ بالوُقوعِ کانَ الحکمُ النادِرُ مُوقعاً لإن ولأنّ أصل إذا الجزمُ بالوقوعِ غُلّبَ لفظُ الماضِی مع إذا نحو فاذا جاء تھم الحسنةُ قالوا لنا ھذہ وان تصبھم سیئة یطیروا بموسی ومن معه .

ترجمہ: اور اس لیے کہ یعنی ان کی اصل وقوع کا یقینی نہ ہونا ہے تو حکم نادر ان کا موقع ہوگا اور اس لیے کہ اذا کی اصل وقوع کا یقینی ہونا ہے اس لیے لفظ ماضی کو غلبہ دے دیا گیا اذا کے ساتھ جیسے "فاذا جاء تھم الحسنة قالوا لنا ھذہ" جب ان کے پاس کوئی اچھائی آتی ہے تو وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ ہماری وجہ سے ہے اگر ان کو کوئی برائی پیش آتی ہے تو وہ لوگ موسی اور موسی کے ساتھ لوگوں کی نحوست بتلاتے ہیں۔

(۱) آیت کریمہ میں "حسنة" کے ساتھ "اذا" اور فعل ماضی نیز "حسنة" کو معرفہ کیوں لایا گیا اس طرح "سیئة" کے ساتھ اِن، فعل مستقبل اور "سیئة" کو نکرہ کیوں لایا گیا۔

(۱) مصنفؒ فرماتے ہیں کہ کلمہ اِن کی اصل وضع کسی چیز کے وقوع کے عدم یقینی ہونے

کو بتلاتا ہے لہذا اِنْ اُس جگہ آئے گا جہاں حکم قلیل الوقوع ہو کیوں قلیل الوقوع چیز اکثر وبیشتر اس کا ہونا غیر یقینی ہوتا ہے اور اذا کی اصلِ وضع کسی چیز کے وقوع کے یقینی ہونے کو بتلاتا ہے اس لیے اذا ماضی کے ساتھ آتا ہے کیوں ماضی اپنے معنی اصلی کے اعتبار سے یقینی چیز پر دلالت کرتا ہے اس کی مثال اللہ تعالی کا ارشاد ہے " إذا جاء تهم الحسنة قالوا لنا هذه" اس مثال کے اندر " الحسنة " کے ساتھ "إذا" لایا گیا ہے اور " إذا "کو فعل ماضی ذکر کیا گیا ہے کیوں "الحسنة" سے مراد حسنۂ مطلقہ ہے کسی نوع کے ساتھ مقید نہیں ہے، اور حسنۂ مطلقہ کا وقوع قطعی اور یقینی ہوتا ہے اس لیے اس کے ساتھ " إذا "لائے اور إذا کو فعل ماضی کے ساتھ لائے چونکہ " الحسنة " سے مراد حسنۂ مطلقہ ہے اس لیے "الحسنة " کو الف لام جنسی کے ساتھ معرفہ لایا گیا اور جنس کا وقوع ہر نوع پر ہوتا ہے او رجنس کا وقوع کثرت سے ہوتا ہے اور جو چیز کثرت سے ہوتی ہے اس کا وقوع قطعی اور یقینی ہوتا ہے اس لیے الحسنۃ کو معرف باللام لایا گیا اور إذا کے ساتھ فعل ماضی کے ساتھ لایا گیا۔

"وان تصبهم سيئة يطيرو بموسى ومن معه " یہاں سیئة سے مراد ایک خاص قسم کی سیئة یعنی قحط مراد ہے اس لیے یہ " سيئة" "الحسنة" کے اعتبار سے نادر الوقوع ہے اس لیے سیئة کو نکرہ لایا گیا اور نکرہ تقلیل پر دلالت کرتا ہے۔

اور جو چیز کم یاب ہوتی ہے اس کا وقوع غیر قطعی ہوتا ہے لہذا سیئة کا وقوع بھی غیر یقینی ہوگا اور غیر یقینی کے لیے مضارع اِنْ کے ساتھ لایا جاتا ہے لہذا سیئة کے لیے إن مضارع کے ساتھ لایا گیا۔

## سوال: ۱۴۵/۷۴

والتَّغليبُ بابٌ واسِعٌ يَجْرِي في فنونٍ كَثِيْرَةٍ كقوله تعالى وكانت من القانتين غُلِّبَ الذَّكرُ على الأنثى بأن أُجْرِيَ الصفةُ المشتركةُ بينهما على طريقةِ إجرائِهَا على الذُّكورِ خاصَّةً ونحو قولِهِ تعالى بل انتم قومٌ تجهلون غُلِّبَ جانبُ المعنى على جَانِبِ اللَّفْظِ لِأَنَّ القِياس يَجهلون بِياءِ الغَيْبَةِ .

**ترجمہ:** اور تغلیب بہت کشادہ باب ہے جو بہت سے فنون میں جاری ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالی کا قول و کانت من القانتین مذکر کو مونث پر غلبہ دے دیا گیا اس طور پر کہ اس صفت کو لایا گیا جو ان دونوں کے درمیان مشترک تھی اس کو مذکر پر خاص طور پر جاری کرنے کے طریقہ پر جیسے اللہ تعالی کا قول بل انتم قوم تجھلون معنی کی جانب کو لفظ کی جانب پر غلبہ دے دیا گیا ہے اس لیے قیاس ''یجھلون'' یاء غیبت کے ساتھ ہے۔

(۱) تغلیب کی تعریف کیجئے (۲) مطلب لکھتے ہوئے بتلائے کہ و کانت من القانتیں میں اصل عبارت کیا ہونی چاہیے تھی؟ اسی طرح تجھلون کے بجائے یجھلون کیوں ہونا چاہیے تھا؟ واضح کریں۔

(۱) تغلیب کی تعریف: دو معلوم لفظوں میں سے ایک کو دوسرے لفظ پر اطلاق میں ترجیح دینا جیسے سورج اور چاند کو قمرین کہہ دینا۔

(۲) مصنفؒ فرماتے ہیں کہ تغلیب کا باب بہت کشادہ ہے اور مختلف قسم کی ترکیبوں میں تغلیب پائی جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالی کا قول و کانت من القانتین اصل میں و کانت من القانتات ہونا چاہیے تھا، اس کی تشریح یہ ہے کہ صفت قنوت کے ساتھ مرد بھی متصف ہوتا ہے اور عورت بھی، لیکن واؤ اور نون کے ساتھ جمع لانے کی صورت میں یہ مرد کے لیے ہوتا ہے نہ کہ عورت کے لیے لیکن مرد کو عورت پر غلبہ دے دیا گیا ہے اور عورت کے لیے بھی قانتین لے آیا گیا۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

اسی طرح بل انتھم قوم تجھلون بھی اصل میں بل انتھم قوم یجھلون ہونا چاہیے تھا کیوں تجھلون کا مرجع قوم ہے اور قوم اسم ظاہر ہونے کی وجہ سے غائب کے درجہ میں ہے اور غائب کے لیے یجھلون ہونا چاہیے تھا لیکن چونکہ معنی کے اعتبار سے قوم سے مخاطب مراد ہیں اس لیے تجھلون لے آئے۔

## سوال: ۵۷ / ص: ۱۵۷

وأَمَّا تَنْكِيرُهُ فَلِإرادةِ عدمِ الحَصْرِ والعَهْدِ الدَّالِّ عَلَيْهَا التعريفُ

**كقولك زيدٌ كاتبٌ وعمروٌ شاعرٌ او للتّفخيم نحو هدى للمتقين اوللتحقيرِ نحو مازيدٌ شيئا وأمّا تخصيصُهُ بالإضافةِ او بالوصفِ فلكون الفائدةِ أتمّ .**

**ترجمه:** اور بہرحال مسند کونکرہ لانا تو وہاں پر حصر اور تشخص مراد نہ لینے کی وجہ سے ہوتا ہے جس پر معرفہ لانا دلالت کرتا ہے جیسے تمہارا قول **زید کاتب ،عمرو شاعر ،** یا مسند کے عظیم الشان ہونے کی وجہ سے جیسے **ھدی للمتقین** یا حقارت کے لیے جیسے **مازید شیئا** اور بہرحال خاص کرنا مسند کو اضافت کے ذریعہ یا صفت کے ذریعہ تو فائدہ مکمل کرنے کے لیے ہوتا ہے۔

(۱) مطلب لکھتے ہوئے تنکیرہ میں ضمیر کا مرجع متعین کریں، ہدی ترکیب میں کیا واقع ہے اور بالاضافۃ اوالوصف کی مثال لکھیں۔

(۱) تنکیرہ میں ضمیر کا مرجع مسند ہے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ مسند کے احوال میں سے ایک حال مسند کونکرہ لانا ہے نکرہ اس وقت لاتے ہیں جب کہ نہ مسند متعین ہوتا ہے اور نہ ہی مسند مسند الیہ کے اندر منحصر ہوتا ہے جیسا کہ زید کاتب میں کاتب مسند نکرہ ہے اور اس وقت کہا جائے گا جب کہ متکلم کا مقصد محض کتابت مراد ہو، اور اسی طرح کبھی نکرہ مسند کی عظمت کو بیان کرنے کے لیے لاتے ہیں جیسے **ھدی للمتقین** کے اندر **ھدی** کو نکرہ لاتے ہیں یا کبھی حقارت کو بیان کرنے کے لیے نکرہ لاتے ہیں جیسے **مازید شیئا** زید کچھ بھی نہیں یعنی بہت حقیر ہے۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی مسند مضاف کی شکل میں لایا جاتا ہے جب کہ مسند کو خاص کرنا مقصود ہو جیسے " **زید غلام رجل** "غلام کو رجل کے ساتھ مضاف کر کے اس میں تخصیص پیدا کی گئی اس طور پر کہ زید مرد کا غلام ہے عورت کا غلام نہیں ہے، اسی طرح کبھی مسند کو موصوف، صفت کی شکل میں لایا جاتا ہے جیسے " **زید رجل عالم** " رجل کی صفت عالم لاکر تخصیص پیدا کر دی اس طور پر کہ زید جاہل نہیں ہے بلکہ عالم ہے اور یہ تخصیص اس

لیے کرتے ہیں تاکہ کلام کا فائدہ زیادہ کامل اور مکمل ہو جائے کیوں کہ کلام میں جتنے قیود پڑھتے ہیں کلام میں اتنی ہی زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔

## سوال: ۶ ۷/ص: ۱۶۵

له هِمَمٌ لاَ مُنْتَهٰى لِكِبَارِها ، وهِمَّتُهُ الصُّغرىٰ أجلُّ مِن الدَّهرِ

ترجمہ: آپ ﷺ کی ہمتیں ایسی ہیں کہ ان کی بڑائی کی کوئی انتہا نہیں اور آپ کی چھوٹی ہمتیں زمانہ سے بہت بڑی ہیں۔

(ا) مطلب لکھتے ہوئے بتلائے کہ شاعر نے همم له کے بجائے له همم کیوں کہا۔

(ا) مذکورہ شعر میں مصنف" مسند کے مقدم کرنے کی وجہ بیان کر رہے ہیں مسند کو اس لیے مقدم کیا جاتا ہے تاکہ شروع مرحلہ میں یہ بات معلوم ہو جائے کہ مسند خبر ہے صفت واقع نہیں ہے جیسا کہ شعر کے اندر " لـــه "مسند کو مقدم کیا اور همم مبتداء کو مؤخر کیا اس لیے کہ اگر همم کو مقدم کر دیتے تو یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ " له "صفت ہے" همم " کی خبر نہیں ہے اول وہلہ میں اس وہم کو دور کرنے کے لیے مسند کو مقدم کر دیا ہے۔

اس شعر کے اندر شاعر آپ ﷺ کی ہمتوں کے بلند ہونے کو بتلا رہا ہے کہ آپ کی ہمتیں اتنی اعلی اور بلند ہیں کہ وہ کسی حد پر جا کر منتہی نہیں ہوتی ہیں اور ان کی معمولی اور ادنی سی ہمت زمانہ کی تمام ہمتوں سے بڑھ کے ہیں۔

## سوال: ۷ ۷/ص: ۱۷۶

وأمَّا لِلرِّعَايَةِ على الفاصِلةِ نحو قولِه تعالى ما ودَّعك ربُّك وما قلى وأما لإستهجانِ ذكرِه كقولِ عائشة ما رأيتُ منه اى من النبىِّ صلى الله عليه وسلم ولا رأى مِنِّى .

**ترجمہ**: یا فاصلہ کی رعایت کی وجہ سے اللہ تعالی کا قول ما ودعک ربک وما قلی یا مفعول کے ذکر کو برا سمجھنے کی وجہ سے حضرت عائشہؓ کا قول ما رایت منه ولا رأى منى.

(۱) عبارت کی وضاحت کرتے ہوئے بتلائیں وما قلی میں اصل عبارت کیا ہونی چاہیے تھی اور حضرت عائشہ کے فرمان میں کیا محذوف ہے (۲) فاصلہ کی تعریف کیجئے۔

(۱) یہاں مصنفؒ مفعول بہ کے حذف کی وجوہات بیان کررہے ہیں ان میں سے ایک وجہ فاصلہ کی رعایت کرنا بھی ہے یعنی کبھی کبھی فاصلہ کی رعایت مقصود ہوتی ہے اس وقت مفعول بہ کو حذف کردیتے ہیں جیسے ''وماقلی'' اصل میں ''وما قلاک'' ہونا چاہیے تھا، لیکن چونکہ ''والضحی واللیل اذا سجی'' سے فاصلہ کی رعایت مقصود تھی اس لیے حذف کردیا، اور کبھی کبھی مفعول بہ کا ذکر برا اور قبیح سمجھا جاتا ہے اس لیے حذف کردیتے ہیں جیسے حضرت عائشہ کا قول ''ما رأیت منہ ولا رأی منی'' یہاں مفعول بہ ''العورۃ'' (شرمگاہ) محذوف ہے کیوں کہ اس کا ذکر معاشرہ میں برا سمجھا جاتا ہے۔

(۲) فاصلہ اس آنے والے کلام کو کہتے ہیں جو پہلے والے کے مثل ہو۔

## سوال: ۸/ ۷ص: ۱۷۹

والتَّخصِیصُ لازِمٌ للتَّقدیمِ غالباً ای لاینفکُّ من تَقدُیمِ المَفعولِ ونحوِہ فی اکثرِ الصُّوَرِ بِشھادۃِ الاستقرارِ وحکمِ الذَّوقِ ولِھذا یُقَالُ فی ایاک نعبد وایاک نستعین وفی لإلی اللّٰہ تحشرون .

**ترجمہ**: اور تخصیص اکثر وبیشتر تقدیم کے لیے لازم ہوتی ہے یعنی مفعول اور ان کے علاوہ کو اکثر صورتوں میں مقدم کرنے سے تخصیص جدا نہیں ہوتی ہے استقراء کی دلیل سے اور ذوق کے حکم کی وجہ سے اسی وجہ سے کہا جائے گا ایاک نعبد وایاک تستعین اور لاِلیَ اللّٰہِ تُحشَرُوْن.

(۱) مطلب لکھتے ہوئے غالبًا کے قید کا فائدہ ذکر کیجئے، دونوں آیتوں میں کس چیز کو مقدم کیا اور اس سے کیا فائدہ حاصل ہوگا اور کس طرح۔

(۱) مصنفؒ فرماتے ہیں کہ جن چیزوں کا حق یہ تھا کہ کلام کے اندر انہیں مؤخر کیا جائے اگر انہیں مقدم کردیا جائے تو مقدم کرنے سے اکثر تخصیص کا فائدہ حاصل ہوتا ہے اگر

چہ بعض اوقات میں تخصیص کے علاوہ دوسرا فائدہ بھی ملحوظ ہوتا ہے جیسا کہ عظیم الشان ہونے کی وجہ سے مقدم کرنا لیکن اکثر و بیشتر تخصیص حاصل ہوتی ہے جیسا کہ ایاک نعبد وایاک نستعین میں ایاک مفعول بہ کو مقدم کیا تو تخصیص ہوئی کہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں تیرے علاوہ کسی چیز کی عبادت نہیں کرتے اگر مقدم نہیں کرتے تو تخصیص کا معنی حاصل نہ ہوتا اور مطلب ہوتا ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور تیرے علاوہ کی بھی عبادت کرتے ہیں اس لإلی اللہ تحشرون کے اندر جار مجرور کو مقدم کیا تخصیص کے لیے تو مطلب ہوگا تم اللہ کی طرف جمع کئے جاؤ گے اللہ کے علاوہ کی طرف جمع نہیں کئے جاؤ گے۔

غالبًا کے قید لگانے کا فائدہ یہ ہے کہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے کہ کہ جہاں بھی مقدم کریں وہاں تخصیص ہی حاصل ہو بلکہ اس کے علاوہ دوسرے فائدہ کے لیے بھی مقدم کرتے ہیں جیسے ” ولکن کانوا انفسھم یظلمون “ میں ”انفسھم“ مفعول بہ کو رعایت فاصلہ کی وجہ سے مقدم کیا ہے۔

## سوال: ۹/۷ ص: ۱۸۳

**القصرُ وهو حَقِيقِيٌّ وغيرُ حقيقيٍّ وكلٌّ منهما نوعانِ قصرُ الموصوفِ على الصِفةِ وقَصرُ الصِفَةِ على الموصوفِ والمرادُ بالصفةِ الصفةُ المعنويةُ لا النَّعتُ النَحويُّ.**

**ترجمہ**: قصر اور وہ حقیقی اور غیر حقیقی ہے اور حقیقی غیر حقیقی میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں قصر موصوف علی الصفت قصر صفت علی الموصوف اور مراد صفت سے صفت معنویہ ہے نہ کہ نعت نحوی۔

(۱) قصر کی لغوی و اصطلاحی معنی بیان کرتے ہوئے مطلب لکھئے (۲) قصر موصوف علی الصفۃ، قصر الصفۃ علی الموصوف کی تعریف مع مثال تحریر کیجئے (۳) صفت معنوی، ورصفت نحوی کے فرق کو مثال سے واضح کیجئے۔

(۱) قصر کے لغوی معنی ہیں ”الحبس“ روکنا اصطلاح میں ”تخصیص شی

**بشئی بطریق مخصوص** "ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ مخصوص طریقہ پر خاص کرنا۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ قصر کی دو قسمیں ہیں قصر حقیقی اور غیر حقیقی ان دونوں کی تعریف علامہ تفتازانیؒ کی روشنی میں یہ ہے کہ ایک شئی کو دوسری شئی کے ساتھ خاص کرنا یا تو نفس الامر کے اعتبار سے ہوگا بایں طور کہ دوسرے کی طرف بالکل بھی تجاوز نہیں کرے گا جیسے "**ماخاتم الانبیاء الا محمد**" یہاں ختم نبوت کو محمد ﷺ پر منحصر کیا گیا ہے یہ قصر حقیقت کے اعتبار سے ہے کہ کوئی بھی محمد ﷺ کے علاوہ خاتم النبیین نہیں ہے، یا تخصیص کرنا کسی چیز کی طرف نسبت کرتے ہوئے ہوگا، اس طور پر کہ اس مخصوص شئی کی طرف وہ متجاوز نہ ہو اگر چہ غیر کی طرف متجاوز ہو جیسے **مازید الا قائم** یہاں زید کا قصر قیام پر کیا گیا ہے اور یہ قصر قعود کے اعتبار سے ہے لہذا زید بیٹھا نہیں ہے صرف کھڑا ہے اگر چہ دوسری صفت یعنی اکل، شرب اس میں موجود ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(۲) قصر موصوف علی الصفت کی تعریف: موصوف میں صفت کے علاوہ کوئی دوسری صفت نہ ہو اگر چہ وہ صفت دوسرے موصوف میں پائی جائے جیسے **مازید الا قائم** یہاں پر زید کے لیے قیام کو منحصر کیا گیا ہے زید صفت قیام کے علاوہ قعود کے ساتھ متصف نہیں ہے اگر چہ صفت قیام زید کے علاوہ عمرو میں موجود ہے۔

قصر صفت علی الموصوف: وہ ہے کہ جس صفت کو موصوف پر منحصر کیا جائے وہ صفت اس موصوف کے علاوہ کسی دوسرے موصوف میں نہ پائی جائے اگر چہ اس موصوف میں دوسری صفت پائی جائے جیسے **ما قائم الا زید** صفت قیام زید کے علاوہ عمرو وغیرہ میں نہیں پائی جاسکتی؛ لیکن زید صفت قیام کے علاوہ دوسری صفت کے ساتھ متصف ہوسکتا ہے۔

(۳) یہاں صفت معنویہ سے مراد وہ صفت ہے جو قائم بالغیر ہو جیسے **العلم حسن** صفت معنوی تو ہے لیکن نعت نحوی نہیں ہے یہاں العلم ترکیب میں مسند الیہ واقع ہے۔

لغت نحوی اس تابع کو کہتے ہیں جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو اس کے متبوع میں ہوں شمول کے علاوہ جیسے "**مررت بهذا الرجل**"۔

## سوال: ۸۰/ص: ۱۹۰

وَلِلْقَصرِ طُرُقٌ مِنهَا العَطفُ كقولِكَ فِي قصرِهِ اى قصرِ الموصوفِ علَى الصِفَةِ إفراداًزيدٌ شاعِرٌلاَ كاتبٌ أو ما زيدٌ كاتبًا بل شاعرٌ ومنها النفيُ والاستثناءُ كقولك فى قصره افراداً ما زيد الا شاعرٌ ومنها إنّما كقولِك فى قصرِهِ إفرادا إنما زيدٌ كا تبٌ .

**ترجمه**: اورقصر کے چند طرق ہیں ان میں سے عطف ہے جیسا کہ تمہارا قول قصر موصوف علی الصفت افرادی میں "زید شاعر لا کاتب" یا"ما زید کا تبا بل شاعر" اوراسی میں سے نفی اوراستثناء ہے جیسے تمہاراقول قصرافرادی میں" مازیدا الا شاعر اوراس میں سے انما ہے جیسے تمہاراقول قصرافرادی میں" انما زید کاتب "

(۱) قصر کے کتنے طرق ہیں اورکون کون ہیں، ہرایک کی تفصیل لکھیے (۲) مصنف نے قصر موصوف علی الصفت افرادی میں دومثالیں کیوں ذکر کی (۳) اورہرایک کے قلب کی مثالیں لکھیں۔

(۱) مصنفؒ یہاں سے قصر کے طرق کو بیان فرمارہے ہیں قصر کے چارطرق ہیں پہلا طرق عطف کے ذریعہ قصر ہوتا ہے دوسرانفی واستثناء کے ذریعہ قصر ہوتا ہے تیسرا انما کے ذریعہ قصر ہوتا ہے چوتھا تقدیم ماحقہ التاخیر کے ذریعہ ہوتا ہے۔

سب سے پہلا طرق عطف کا بیان کررہے ہیں یعنی عطف کرکے قصر کا فائدہ حاصل ہوتا ہے جیسا کہ قصرافرادمیں زید شاعر لا کاتب قصر افرادی کہتے ہیں مخاطب شرکت کا اعتقادرکھتا ہواور متکلم اس کوایک میں منحصر کردے اس مثال کے اندر مخاطب زید کے بارے میں شاعراورکاتب ہونے کا خیال رکھتا ہے پس متکلم نے شاعر ہونے کی نفی کرکے زیدکوکتابت کے اندر منحصر کردیا۔

قصر کا دوسرا طریقہ نفی واستثناء ہے یعنی نفی واستثناء کے ذریعہ قصر کا فائدہ حاصل ہوتا ہے جیسے "مازید الا شاعر "قصرافرادمیں مطلب ہوگا کہ مخاطب زید کے بارے میں شاعر

اور کاتب ہونے کا خیال رکھتا ہے لیکن متکلم کاتب ہونے کی نفی کر کے شاعریت کو اس کے لیے ثابت کر رہا ہے۔

قصر کا تیسرا طریقہ انما کا ہے یعنی انما کے ذریعہ قصر کا فائدہ حاصل ہوتا ہے جیسا کہ انما زید کاتب ، قصر افراد کی صورت میں مطلب ہوگا کہ مخاطب زید کے بارے میں کاتب اور شاعر ہونے کا خیال رکھتا ہے لیکن متکلم شاعر ہونے کی نفی کر کے کتابت کو اس کے لیے ثابت کرتا ہے۔

قصر کا چوتھا طریقہ تقدیم ما حقہ التاخیر کا ہے یعنی کلام کے اندر جس کا حق مؤخر کرنے کا تھا اس کو مقدم کر دیا جائے جیسے خبر کا حق مؤخر کرنے کا ہے اس کو مبتداء پر مقدم کر دیا جائے جیسے "تمیمی انا" میں تمیمی ہی ہوں کوئی دوسرے قبیلہ کی طرف منسوب نہیں ہوں۔

(۲) مصنفؒ نے قصر موصوف علی الصفت افرادی کی دو مثال اس لیے ذکر کی ہے کہ پہلے مثال میں معطوف علیہ مثبت ہے اور دوسری مثال میں معطوف علیہ منفی ہے۔

(۳) عطف کی صورت کی قلب کی مثال "زید قائم لا قاعد" زید کھڑا ہی ہے بیٹھا نہیں ہے، یہ اس شخص کے سامنے کہا جائے گا جو زید کے بیٹھنے کا قائل ہو۔

انما میں قلب کی مثال" انما زید قائم " زید کھڑا ہی ہے اس کا مخاطب وہ شخص ہوگا جو زید کے بیٹھنے کا خیال کرتا ہو۔

نفی واستثناء میں قلب کی مثال "مازید الا قائم" زید کھڑا ہی ہے یہ اس شخص کے سامنے کہا جائے گا جو زید کے بیٹھنے کا خیال رکھتا ہو۔

تقدیم ماحقہ التاخیر میں قلب کی مثال "تمیمی انا" اس شخص کے سامنے کہا جائے جو اعتقاد رکھتا ہو کہ زید قبطی ہے تمیمی نہیں ہے۔

## سوال: ۸۱/ص: ۱۹۲

**وَلَمَّا اختلفوا فی إفادتِہِ القصرَ فِی تَضَمُّنِہِ معنی ما والّا بَیَّنَہُ بِثلاثَۃِ أوْجُہٍ فقال لِقولِ المفسِّرِینَ إنَّمَا حَرَّمَ علیکم المیتۃَ بالنصب بمعناہ**

ماحرَّم عليكم الا الميتةَ وهذا المعنى هو المطابقُ لقراء ة الرفعِ اى رفع المَيْتةِ .

**ترجمہ** : اور جب علماء نے اختلاف کیا إنما کے قصر کے فائدہ دینے اور اس کے ما اور إلا کے معنی کو متضمن ہونے میں تو مصنف نے اس کو تین طریقوں سے بیان کیا پس مصنفؒ نے فرمایا مفسرین کے قول کی وجہ سے انما حرم علیکم المیتۃ نصب کے ساتھ اس کے معنی ما حرم علیکم إلا المیتۃ اور یہی معنی میتۃ کے رفع کے قرات کے مطابق ہے۔

(۱) مطلب لکھئے (۲) آیت کریمہ میں کتنی قرائتیں ہیں ، ہر قرأت کے مطابق ترکیب کر کے بتائیے کہ استشہاد کن کن صورتوں میں ہے (۳) نیز نصب ورفع کی قرأت سے سکا کی اور مصنف کی مراد کون کون سی قرأت ہے۔

(۱) شارحؒ یہاں سے فرمارہے ہیں کہ اس بات میں علماء کا اختلاف ہے کہ کلمہ إنما مفید قصر ہے یا نہیں ما اور إلا کے معنی کو متضمن ہے یا نہیں، مصنفؒ نے انما کے مفید قصر ہونے اور اس کے ما اور الا کے متضمن ہونے کو تین طریقہ سے ثابت کیا ہے پہلا ایک طریقہ ذکر کر رہے ہیں۔

پہلا طریقہ یہ ہے کہ مفسرین کرام نے اس بات کی وضاحت کی ہے انما حرم علیکم المیتۃ یہ ما حرم علیکم الا المیتۃ کے معنی میں ہے اس سے یہ بات بخوبی معلوم ہوگئی کہ انما اور ما اور الا کے معنی کو متضمن ہے اور مفید قصر ہے۔

(۲) آیت کریمہ میں تین قرأتیں ہیں (۱) حرم فعل معروف اور المیتۃ منصوب ہو مفعول ہونے کی وجہ سے اس صورت میں ما کافہ ہوگا اور یہ جملہ " ما حرم علیکم الا المیتۃ " کے معنی میں ہوگا اور محل استشہاد یہی صورت ہے۔

دوسری قرأت حرّم فعل معروف المیتۃ مرفوع ہو اس صورت میں ان حروف مشبہ بالفعل ہوگا اور ما موصولہ ہوگا اور عائد محذوف ہوگا اور ما حرم علیکم موصول صلہ سے مل

کر مفرد کی تاویل میں ہو کر ان کا اسم اور المیتة خبر ہوگی اس صورت میں بھی قصر ہوگا لیکن یہاں قصر دونوں یعنی مسند اور مسند الیہ کے معرفہ ہونے کی وجہ سے ہوگا اور مصنف کی مراد رفع کی صورت میں یہی قرأت ہے پہلی اور دوسری قرأت مفید حصر ہونے میں موافق ہیں اگر چہ طریقہ حصر الگ الگ ہیں۔

تیسری قرأت حرم فعل مجہول اور المیتة کا رفع اس صورت میں ما کافہ ہوسکتا ہے اور یہ ماحرم علیکم الا المیتة کے معنی میں ہوگا یا ما موصولہ ہے اور وہی ترکیب ہوگی جو دوسری قرأت میں تھی۔

(۳) مصنفؒ اور سکاکیؒ کی مراد پہلی اور دوسری قرأت ہے نصب اور رفع سے۔

## سوال:۸۲/ص:۱۹۹

وَقَد يُنَزَّلُ المعلومُ منزلةَ المجهولِ لاعتبارٍ مُناسبٍ فَيُستعملُ له أى لِذٰلِک المعلومِ الثانیُ ای النفیُ والاستثناءُ إفراداً ای حالَ کونه قصرَ إفرادٍ نحو ومامحمدٌ إلا رسول ای مقصورٌ علی الرسَالةِ لا یتعدَّاها إلی التبرُّؤِ من الهَلاکِ.

**ترجمہ**: اور کبھی معلوم کو مجہول کے درجہ میں اتار لیا جاتا ہے کسی اعتبار مناسب کی وجہ سے پھر اس امر معلوم میں دوسرا یعنی نفی اور استثناء قصر افراد ہونے کی حالت میں استعمال کیا جاتا ہے جیسے "وما محمد الا رسول "یعنی محمد رسالت پر منحصر ہیں، ہلاکت سے بری ہونے کی طرف تجاوز کئے ہوئے نہیں ہیں۔

(۱) مطلب لکھتے ہوئے اس میں اعتبار مناسب کو واضح کیجئے (۲) قصر افراد کی تعریف کر کے بتائیے کہ اس مثال میں قصر افرد کیسے ہے؟۔

(۱) یہاں مصنفؒ فرما رہے ہیں کہ کبھی کبھی کسی امر معتبر کی وجہ سے امر معلوم کو مجہول کے درجہ میں مان کر نفی اور استثناء کے ساتھ کلام لایا جاتا ہے جیسے "ومامحمد الا رسول" میں اللہ تعالی متکلم ہیں، اور صحابہ مخاطب ہیں اگر چہ صحابہ کرام اس بات کو جانتے تھے کہ اللہ

کے رسول کو بھی موت آئے گی، لیکن صحابہ آپ کی موت کو ایک عظیم امر خیال کرتے تھے، اس وجہ سے ان کو منکر کے درجہ میں اتار لیا گیا اور یہ سمجھا گیا کہ وہ آپ کی موت سے ناواقف ہیں اور آپ کی موت کا انکار کرتے ہیں اور جب مخاطب حکم سے ناآشنا اور اس کا انکار کرتا ہے تو اس کے لیے کلام نفی اور استثناء کے ساتھ لایا جاتا ہے پس یہاں اللہ تعالی نے نفی اور استثناء کے ساتھ لائے، یہاں یعنی "ومامحمد الا رسول" میں اعتبار مناسب صحابہ کرام کا آپ کی موت کو امر عظیم خیال کرنا اور آپ کی زندگی کی بہت زیادہ خواہش کرنا ہے۔

قصر افراد: متکلم موصوف کو ایک صفت پر منحصر کردے جبکہ مخاطب موصوف کے بارے میں میں دو مشترک صفات کا اعتقاد رکھتا ہو جیسے ما زید الا کاتب" جب کہ مخاطب کا اعتقاد زید کے بارے میں کتابت اور شاعریت دونوں کا ہو۔

وما محمد الا رسول" میں قصر افراد اس طور پر ہے کہ جب اللہ نے محمد کو ایک صفت یعنی رسول ہونے پر منحصر کر دیا جب کہ مخاطب دو صفت یعنی رسول ہونے اور موت سے بری ہونے کا خیال رکھتے تھے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

## سوال: ۸۳/ص: ۲۰۲

وَمُزِيَّةُ إنَّما عَلى العَطفِ أنَّهُ يُعقلُ منها الحُكمانِ معا وأحسنَ مَواقِعَها التَّعرِيضُ نحو إنما يَتذَكَّرُ اولُو الالْبَابِ فَإنَّهُ تَعرِيضٌ بِأنَّ الكُفَّارَ من فَرطِ جَهلِهِم كالبهائمِ فَطَمعُ النَّظرِ مِنهُم كَطَمعِهِ مِنهَا.

**ترجمہ** : اور کلمہ انما کی خصوصیت عطف پر یہ ہے کہ اس سے دو حکم ایک ساتھ سمجھے جاتے ہیں اور انما کا بہترین موقع تعریض ہے جیسے انما یتذکر اولو الالباب کیوں کہ اس میں تعریض ہے کہ کفار اپنی بے انتہاء جہالت کی وجہ سے چوپائیں کی طرح ہیں پس ان سے امید رکھنا جانوروں سے امید رکھنے کی طرح ہے۔

(۱) مطلب لکھتے ہوئے الحکمان اور تعریض سے کیا مراد ہے واضح کریں۔

(۱) مصنفؒ یہاں سے فرمارہے ہیں کبھی قصر عطف کے ذریعہ ہوتا ہے جیسے زید

قاعد لا قائم اور کبھی قصر انما کے ذریعہ ہوتا ہے جیسے انما زید قائم لیکن عطف کی صورت میں قصر کرنے سے پہلے اثبات معلوم ہوگا بعد میں نفی کا علم ہوگا جیسا کہ " زید قائم لا قاعد " پہلے زید کے لیے قیام کے ثبوت کا علم ہوا اور بعد میں نفی کا علم ہوا یا پہلے نفی کا علم ہوگا بعد میں ثبوت کا علم ہوگا جیسے ما زید قائما بل قاعد پہلے زید کے قیام کی نفی کا علم ہوا بعد میں قعود کے اثبات کا علم ہوا لیکن انما کی فضیلت عطف کے مقابلہ میں یہ ہے کہ انما کے ذریعہ قصر کی صورت میں دونوں حکم یعنی ایک کے لیے اثبات اور دوسرے سے نفی کا علم ایک ساتھ ہو جاتا ہے جیسے "انما زید قائم "اس میں زید کے لیے ثبوت قیام کا علم اور نفی قعود کا علم ایک ساتھ ہوا اور الحکمان سے یہی مراد ہے دونوں حکم یعنی نفی اور اثبات ایک ساتھ معلوم ہوں۔

اور تعریض کہتے ہیں "امالة الکلام الی عرض " کہ کلام کو کسی گوشہ میں پھیر دینا، مصنفؒ فرماتے ہیں کلمہ انما کا استعمال بہت سی جگہوں میں ہوتا ہے لیکن اس کے استعمال کی سب سے بہترین جگہ تعریض ہے جیسے اللہ تعالی کا ارشاد انما یتذکر اولو الالباب اس کے اندر اللہ تعالی کا مقصود اس بات کی خبر دینا نہیں ہے کہ اہل فہم ہی حق کو سمجھتے ہیں بلکہ کفار پر تعریض کرنا مقصود ہے کہ کفار تو اپنی نادانی اور جہالت کی وجہ سے جانوروں کی طرح ہیں لہذا جس طرح جانوروں سے بھلائی کی توقع رکھنا بے فائدہ ہوتا ہے اسی طرح کفار سے بھی ایمان کی امید رکھنا بے فائد ہوگا۔

## سوال: ۸۴/ص: ۲۰۷

أنواعُهُ ای أنواعُ الطلبِ كثيرةٌ منها التَّمَنِّيْ وَهُوَ طلبُ حصولِ الشيئِ على سبيلِ المَحبَّةِ واللفظُ الموضوعُ لهُ لَيتَ ولا يُشتَرطُ إمكانُ المتمنى بخلاف التَّرجِّيْ تقولُ: ليت الشَّبابَ يَعُودُ ولا تَقول لَعلَّهُ يَعُودُ وقد يُتَمنّٰى بلَعلَّ فَيُعطى لَهُ حُكمُ لَيتَ .

ترجمہ: اور طلب کے انواع بہت زیادہ ہیں ان میں سے تمنی ہے اور تمنی کسی چیز کا محبت

کے طریقہ پر حاصل ہو جاتا ہے اور وہ لفظ جو وضع کیا گیا ہے تمنی کے لیے وہ لیت ہے اور شرط نہیں لگائی جاتی ہے جس کی تمنا کی جارہی ہو وہ چیز ممکن ہو بر خلاف ترجی کے آپ کہیں گے لیت الشباب یعود اور نہیں کہیں گے لعل الشباب یعود اور کبھی تمنا کی جاتی ہے لعل کے ذریعہ پس اس کو لیت کا حکم دے دیا جاتا ہے۔

(۱) تمنی اور ترجی کے فرق کو مثال سے واضح کیجیے، (۲) لعل کو لیت کے حکم میں کب قرار دیا جاتا ہے اور لیت کے حکم میں ہونے کا کیا مطلب؟۔

(۱) تمنی اور ترجی میں فرق: تمنی ممکن اور غیر ممکن دونوں چیزوں میں متحقق ہوتی ہے، جیسے آپ کہہ سکتے ہیں "لیت الشباب یعود" اگرچہ جوانی کا لوٹنا محال ہے لیکن لیت کے ذریعہ تمنا کر سکتے ہیں، لیکن لعل الشباب یعود نہیں کہہ سکتے کیوں کہ جوانی کا لوٹنا محال ہے اور محال چیز کی ترجی نہیں ہو سکتی اگر تمنی ممکن ہو تو دونوں میں فرق اس طور پر ہوگا کہ ترجی میں امید ہو اور تمنی میں اس چیز کے وقوع کی امید نہ ہو۔

(۲) لعل کو لیت کے حکم میں اس وقت دیا جاتا ہے جب کہ اس کے حصول کی امید بعید ہو جیسے لعل احج فازورک، حج کی تمنا لعل کے ذریعہ ہو رہی ہے اور حج کا وقوع بعید ہوتا ہے اور لیت کے حکم میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ لعل کو تمنی کے لیے استعمال کر لیا جاتا ہے او جواب لعل میں نصب آجاتا ہے۔

## سوال: ۸۵/ص: ۲۱۶

وَهِيَ أي هَلْ قِسمانِ بسيطةٌ وهي التي يُطلبُ بها وُجودُ الشئی أولاَ وُجودُهٗ كَقولِنا هَلِ الحَرَكَةُ مَوجُودَةٌ أم لا موجودةٌ ومُرَكَّبَةٌ وهي التي يُطلبُ بها وجودُ شئی لشئيٍ أو لا وُجُودُهٗ له كقولِنا هل الحركةُ دائمةٌ أم لا دائمةٌ والباقيةُ لطلبِ التصوُّرِ فقط.

**ترجمہ**: اور ہل کی دو قسمیں ہیں بسیطہ وہ ہے جس کے ذریعہ کسی چیز کے وجود یا عدم وجود کو طلب کیا جائے جیسے ہمارا قول ھل الحركة موجودة اور مرکبہ وہ ہے جس کے

ذریعہ کسی چیز کا وجود کسی چیز کے لیے یا عدم وجود کسی چیز کے لیے طلب کیا جائے جیسے ہمارا قول هل الحركة دائمة اور باقی الفاظ استفہام صرف طلب تصور کے لیے آتے ہیں۔

(۱) مطلب تحریر کیجئے (۲) بسیط و مرکبہ کہنے کی وجہ بیان کیجئے (۳) والباقية سے کیا مراد ہے۔

(۱) مصنفؒ الفاظ استفہام کو بیان کر رہے ہیں ان میں سے ایک ہل ہے اور ہل کی دو قسمیں ہیں بسیطہ، مرکبہ، بسیطہ کہتے ہیں کہ جس کے ذریعہ کسی چیز کے بارے میں دریافت کیا جائے کہ آیا خارج میں موجود ہے یا موجود نہیں ہے جیسے هل الحركة موجودة ام لا موجودة کیا حرکت کا کوئی وجود خارجی ہے یا نہیں ہے یا صرف امر خیالی ہے۔

اور مرکبہ کہتے ہیں کہ جس کے ذریعہ دریافت کیا جائے کہ ایک چیز کا ثبوت دوسرے چیز کے لیے یا ایک چیز کا عدم ثبوت دوسری چیز کے لیے ہے یا نہیں جیسے هل الحركة دائمة ام لا دائمة یعنی سائل کو یہ بات معلوم ہے کہ حرکت خارج میں پائی جاتی ہے لیکن یہ معلوم نہیں ہے کہ حرکت ہمیشہ رہتی ہے یا بعض اوقات میں رہتی ہے متکلم اس قول کے ذریعہ یہ دریافت کرنا چاہتا ہے کہ حرکت دائمی ہے یا نہیں ہے۔

مصنفؒ آگے فرماتے ہیں کہ ہل کے علاوہ جو باقی الفاظ ہیں ان سب سے مقصود تصور کو طلب کرنا ہوتا ہے لیکن متصورات الگ الگ ہیں۔

(۲) ہل بسیطہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے اندر صرف ایک چیز یعنی حرکت موجود ہوتی ہے اور مرکبہ کے اندر دو چیزیں یعنی حرکت اور دوام معتبر ہوتے ہیں لہذا یہاں پر بسیطہ مرکبہ کہنا اجزاء کے کم اور زیادہ ہونے کے اعتبار سے ہے یعنی بسیطہ میں اجزاء کم ہیں اس لیے اس کو بسیطہ کہا گیا، اور مرکبہ میں اجزاء زیادہ ہیں اس لیے اس کو مرکبہ کہا گیا۔

(۳) الباقية سے مراد باقی الفاظ استفہام ہیں۔

## سوال: ۸۶/ص: ۲۳۵

وَلِهٰذَا أی فلانَّهٗ لابُدَّ فِی الواو من جهةٍ جَامعةٍ عيبَ علی ابی تمَّام قوله

شعر لاَ والَّذى هُوَ عَالِمٌ أن النَّوى صبرٌ وأن أبا الحسن كريمٌ إذ لامناسبة بين كرم أبى الحَسَنِ ومرارة النَّوىٰ فهذا العطفُ غيرُ مقبولٍ سواءٌ جُعِلَ عطفُ مُفْرَدٍ علی مفردٍ كما هُو الظَّاهِرُ او عطفُ جملةٍ على جملةٍ بِاعتبارِ وقُوعِهِ مَوقِعَ مَفْعُولَىْ عالَمٍ لأنَّ وُجُودَ الجامعِ شرطٌ فِي الصُّورَتَيْنِ .

**ترجمہ**: اور اسی وجہ سے کہ واو میں جہت جامعہ کا ہونا ضروری ہے ابوتمام کے اس شعر پر عیب لگایا گیا شعر نہیں قسم ہے اس ذات کی جو جاننے والا ہے کہ جدائی تلخ ہوتی ہے اور ابوالحسن شریف ہیں اس لیے کوئی مناسبت نہیں ہے ابوالحسن کے شریف ہونے اور فراق کے تلخ ہونے میں پس یہ عطف غیر مقبول ہے خواہ یہ عطف مفرد علی المفرد ہو جیسا کہ ظاہر ہے یا عطف جملہ علی الجملہ ہو اس کے واقع ہونے کے اعتبار سے عالم کے دو مفعولوں کی جگہ میں اس لیے کہ جامع کا پایا جانا دونوں صورتوں میں شرط ہے۔

(۱) جامع کی تعریف کرتے ہوئے پوری عبارت کی تشریح کیجئے (۲) باعتبار وقوعہ موقع مفعولی عالم کا کیا مطلب ہے (۳) شعر میں لا سے کس چیز کی نفی مقصود ہے۔

(۱) جامع کی تعریف: وہ وصف کہلاتا ہے جو دو چیزوں کے درمیان اجتماع کا تقاضہ کرتا ہو۔

مصنفؒ نے اس سے ماقبل میں فرمایا تھا کہ حرف واؤ کے ذریعہ عطف کرنے کی صورت میں معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان جہت جامعہ یعنی کوئی مناسبت کا موجود ہونا ضروری ہوتا ہے اس لیے ابوتمام کے مذکورہ شعر میں لوگوں نے اس کو برا سمجھا ہے اس طور پر کہ أن النوى صبر معطوف علیہ ہے اور ”ان ابالحسن کريم“ معطوف ہے اور واؤ حرف عطف ہے اور فراق کے کڑوے ہونے اور ابوالحسن کے شریف ہونے کے درمیان کوئی مناسبت نہیں حالانکہ حرف واؤ کے ذریعہ عطف کی صورت میں جہت جامعہ کا ہونا ضروری ہے۔

اگر بان النوی صبرا پنے اسم خبر سے ملکر مفرد کی تاویل میں ہو جائے اور ان اباالحسن کریم بھی مفرد کی تاویل میں ہو جائے تو عطف المفرد علی المفرد ہوگا اور اگر مفرد کی تاویل میں نہ ہو تو عطف الجملۃ علی الجملۃ ہوگا۔

(۲) باعتبار وقوعہ موقع مفعولی عالم'' سے شارح ایک اشکال کا جواب دے رہے ہیں اشکال ہوتا ہے کہ وان النوی صبر جواب قسم ہے اور جواب قسم کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے اور گفتگو اس کلام کے بارے میں ہے جو محل اعراب میں واقع ہو لہذا یہ ہماری گفتگو سے باہر ہے۔

شارحؒ جواب دے رہے ہیں کہ وان النوی صبر الخ یہ عالم کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے لہذا یہ محل نصب میں ہوگا اور بحث سے خارج نہیں ہوگا۔

(۳) اور لا سے شعر کے اندر محبوب کے اس دعوی کی نفی مقصود ہے کہ محبت ختم ہو چکی ہے محبوب کا یہ دعوی تھا شاعر نے اس دعوی کی نفی کی ہے جیسا کہ اس سے پہلے والا شعر اس پر دال ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

## سوال: ۲۳۸/۸۷

فالحاصلُ أن لِلجُملَتَينِ اللتينِ لا مَحلَّ لَهُمَا مِن الإعْرابِ ولم يكُنْ لِلأولىٰ حكمٌ لم يُقصدُ إعطاءُ هُ لِلثانيةِ ستةُ أحوالٍ : الأولُ كمالُ الإنقطاعِ بلا إيهامٍ الثاني كمالُ الاتصالِ الثَّالثُ شِبهُ كَمالِ الإنقطاعِ الرَّابِعُ شِبهُ كَمالِ الاتِّصالِ الخَامسُ كمالُ الإنقطاعِ مَعَ إيهامٍ السادسُ التوسطُ بينَ الكَمالَيْنِ فَحُكمُ الأخرينِ الوَصْلُ وَحُكمُ الأرْبعَةِ السابقةِ الفصلُ.

**ترجمہ:** پس خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ان دو جملوں کے لیے کوئی محل اعراب نہ ہو اور نہ پہلے کے لیے ایسا حکم ہو جس کو دوسرے کو دینے کا رادہ نہ کیا گیا ہو وہ چھ احوال ہیں پہلا کمال الانقطاع بلا ایہام )(۲) کمال اتصال (۳) شبہ کمال انقطاع (۴) شبہ کمال اتصال (۵) کمال انقطاع مع ابہام (۶) توسط بین الکمالین، پس دو آخری والوں کا حکم وصل ہے پہلے چار کا حکم متصل ہے۔

(۱) احوال ستہ کی تعریف مع مثال لکھیے۔

(۱) احوال ستہ کی تعریف مع مثال اصطلاحات میں ملاحظہ فرمایئے۔

## سوال: ۸۸/ص: ۲۴۹

وَأمَّا كَمالُ الإنقِطاعِ بينَ الجُمْلَتَيْنِ فَلِإخْتِلافِهِمَا خبرا وانشاءً لفظاً معنىً بِأن تكون إحداهُمَا خبراً لفظاً ومعنىً وأخرىٰ إنشاءً لفظاً ومعنىً نحو شعر وقالَ رَائِدُ هُمْ أرسُوْا نُزَاوِلُهَا فَكُلُّ حَتْفِ إمرئٍ يجرى بِمقدارٍ.

**ترجمہ:** بہرحال دو جملوں کے درمیان کمال انقطاع تو وہ دونوں جملوں کے خبر وانشاء میں لفظاً اور معنیٰ مختلف ہونے کی وجہ سے ہے، بایں طور کہ ان میں سے ایک خبر ہو لفظا اور معنیٰ اور دوسرا انشاء ہو لفظا اور معنیٰ جیسے ان کے سردار نے کہا ٹھہر جاؤ تا کہ ہم لڑائی لڑیں کیوں کہ ہر آدمی کی موت اللہ کے حکم کے مطابق آتی ہے۔

(۱) مطلب لکھتے ہوئے بتلائیے کہ کمال انقطاع کن دو جملوں کے درمیان ہے اور کس وجہ سے ہے۔

(۱) مصنفؒ یہاں سے کمال انقطاع کو بیان کررہے ہیں کہ کمال انقطاع ان دو جملوں کے درمیان ہوتا ہے جن میں سے ایک جملہ لفظاً اور معنا خبر ہو اور دوسرا جملہ لفظاً اور معنیً انشاء ہو۔

مذکورہ شعر میں ارسوا نزاولہا میں کمال انقطاع ہے اس طور پر کہ ارسوا صیغہ امر ہونے کی وجہ سے لفظاً اور معنیٰ انشاء ہے اور نزاولہا خبر ہے لفظاً اور معنیً۔

## سوال: ۸۹/ص: ۲۵۰

وَامـا الوصلُ لِدفعِ الإيهامِ فلقولهم لاوايَّدَكَ اللّٰهُ فقولُهُمْ لا رَدٌّ لِكَلامٍ سابقٍ كماإذا قِيلَ هَلِ الأمرُ كَذٰلِكَ فقالوا لا أى ليس الأمرُ كذلِكَ وهذه جملةٌ إخبارِيَّةٌ وأمَّا لِتَوَسُّطِهِ أى أما الوصلُ لِتوسُّطِ الجُملَتَيْنِ بَيْنَ كمالِ الانقطاعِ وكمالِ الاتّصالِ.

**ترجمہ:** اور بہرحال وصل وہم دور کرنے کے لیے ہے جیسا کہ ان کا قول لا

وایدک اللہ پس ان کا قول لا کلام سابق کی تردید کے لیے ہے جیسے کہ جب کہا جائے **ھل الامر کذلک** پس وہ لوگ کہیں "**لا ای لیس الامر کذلک**" پس یہ جملہ خبر یہ ہے اور بہر حال توسط کے لیے بہر حال وصل تو وہ کمال انقطاع او رکمال اتصال کے درمیان دو جملوں کے توسط کی وجہ سے ہوتا ہے۔

(۱) مطلب لکھتے ہوئے بتائیں کہ وایدک کا عطف کس پر ہے اور عطف کیوں لایا گیا **واما لتوسط** کا معطوف علیہ کیا ہے۔

(۱) مصنفؒ نے اس سے پہلے ان احوال کو بیان کیا تھا جن کی وجہ سے کلام کے اندر فصل ہوتا ہے اب ان دو حالتوں کو بیان کر رہے ہیں جو وصل کا تقاضہ کرتی ہیں تو مصنفؒ فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی دو جملوں کے درمیان کمال انقطاع ہوتا ہے جس کا تقاضہ یہ ہوتا ہے کہ کلام کے اندر عطف نہ کیا جائے چونکہ عطف نہ کرنے کی وجہ سے مقصود کے خلاف کا وہم لازم آتا ہے، اس لیے عطف کر دیتے ہیں جیسے اس قول کے اندر **لا وایدک اللہ لا** سے کلام سابق کی تردید ہوتی ہے جیسے اگر کوئی کہے "**ھل الامر کذلک**" جواب میں آئے گا "**لا ای لیس الامر کذلک**" بہر حال لا جملہ خبر یہ ہے اور ایدک اللہ جملہ دعائیہ ہونے کی وجہ سے انشاء ہے اس کا تقاضہ تھا کہ عطف نہ کیا جائے لیکن عطف نہ کرنے کی وجہ سے وہم ہوتا کہ کلام مخاطب کے حق میں عدم تائید کی بد دعاء ہے حالانکہ مقصود تائید ہے اس کے لیے عطف کیا گیا خلاصہ کلام خلاف مقصود کے وہم کو دور کرنے کے لیے حرف عطف لایا گیا۔

وصل کرنے کی دوسری حالت توسط ہے مطلب یہ ہے کہ دو جملوں کے درمیان نہ کمال انقطاع ہو نہ کمال اتصال ہو بلکہ من وجہ انقطاع اور من وجہ اتصال ہو تو اس کے درمیان بھی حرف عطف لے آتے ہیں جیسے "**یخدعون اللہ وھو خادعھم**" **واما لتوسط** کا عطف **اما الوصل لدفع الایھام** پر ہے۔

## سوال: ۹۰/ص: ۲۷۷

قَالَ السَّکَّاکِیُ أَمَّا الإِیْجَازُ وَالإِطْنَابُ فَلِکَوْنِھَا نَسبِیَّیْنِ لایتیسرُ الکلامُ

**فیھما الا بترکِ التحقیقِ والتعیینِ .**

**ترجمہ**: سکاکیؒ نے کہا بہرحال ایجاز واطناب امور نسبیہ میں سے ہیں کلام تحقیق او رتعین کو چھوڑنے کے ساتھ ہی آسان ہوگا۔

(۱) مطلب لکھتے ہوئے بتائیے کہ مصنفؒ نے ایجاز واطناب کی تعریف کیوں نہیں کی ہے (۲) اور ایجاز واطناب کی بنیاد کس پر ہے (۳) ایجاز واطناب، مساوات کی جو تعریف آپ کو یاد ہے اس کو بیان کیجئے۔

(۱) علم معانی کا آٹھواں باب ایجاز واطناب اور مساوات کے بیان میں ہے مصنفؒ نے ایجاز واطناب کی تعریف اس لیے نہیں کی کیوں کہ یہ امور نسبیہ میں سے ہیں یعنی ایجاز کا سمجھنا اطناب پر اور اطناب کا سمجھنا ایجاز پر موقوف ہے ایک کلام لمبا مختصر کلام کی طرف نسبت کرتے ہوئے ہوگا اور وہی کلام دوسرے لمبے کلام کی طرف نسبت کرتے ہوئے مختصر ہو جائے گا لہٰذا دونوں کی حد بندی اور کوئی جامع مانع تعریف ممکن نہیں ہے کہ ہم کہہ سکیں اتنی مقدار اطناب ہے اور اتنی مقدار ایجاز ہے۔

(۲) ایجاز اطناب کی بنیاد امر عرفی پر ہے یعنی اوسط درجہ کے کلام کرنے والوں کے کلام پر جو کہ بلاغت کے نہ اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہیں اور نہ ہی مافی الضمیر کو اداء کرنے پر قادر ہیں۔

(۳) (ایجاز، اطناب، مساوات کی تعریف، اصطلاحات میں دیکھئے)

# اصطلاحات

نحمدک یامن شرح صدورنا لتلخیص البیان فی ایضاح المعانی ونور قلوبنا بلوامع التبیان .

**حمد:** هو الثناء باللسان علی قصد التعظیم سواء تعلق بالنعمة او بغیرها.

حمد: کہتے ہیں بنیت تعظیم زبان سے کسی کی تعریف کرنا خواہ تعریف نعمت پر ہو یا غیر نعمت پر۔

**شکر:** هو فعل ینبئی عن تعظیم المنعم لکونه منعماً سواء کان باللسان او بالجنان او بالارکان .

شکر: ایسے فعل کو کہتے ہیں جو منعم کی تعظیم کو بتلائے اس کے منعم ہونے کی وجہ سے خواہ اس کا تعلق زبان سے ہو یا اعضاء وجوارح سے ہو۔

**نوٹ:** حمد وشکر کے درمیان اپنے جائے صدور کے اعتبار سے عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے اور مفہوم کے اعتبار سے عموم من وجہ کی نسبت ہے۔

**اللّٰہ** : هو اسم للذات الواجب الوجود المستحق لجمیع المحامد .

اللہ نام ہے اس ذات واجب الوجود کا جو تمام تعریفوں کا مستحق ہے۔

**بیان:** هو المنطق الفصیح المعرب عما فی الضمیر .

بیان کہتے ہیں کہ ایسے کلام فصیح کو جو مافی الضمیر کو ظاہر کرنے والا ہو۔

**حکمة:** هی علم الشرائع وکل کلام وافق الحق .

حکمت کہتے ہیں شرائع کو اور ہر اس کلام کو جو درستگی کے موافق ہو۔

**فصل الخطاب** : البین الذی یتبینه من یخاطب به ولا یلتبس علیه

إن كان الفصل معنى المفصول ، الفاصل بين الحق والباطل ان كان الفصل معنى الفاصل.

فصل خطاب ہر اس کلام کو کہتے ہیں جس کو مخاطب باسانی سمجھ سکے اور اس پر کلام ملتبس نہ ہو، مذکورہ تعریف اس وقت ہے جب کہ فصل مفصول کے معنی میں ہو اگر "فصل" فاصل کے معنی میں ہو تو ہر اس کلام کو کہیں گے جو حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کن ہو۔

**الاستعارة** : هي مجاز علاقته المشابهة كقوله كتاب انزلنا اليك ليخرج الناس الخ.

**استعارة بالكناية** : تشبيه شئي بشئي في النفس فيسكت عن ذكر اركانه سوى المشبه .

استعارہ بالکنایہ کہتے ہیں دل ہی دل میں ایک چیز کو دوسری چیز سے تشبیہ دینا اور مشبہ کو ذکر کرنا مشبہ بہ اور اس کے علاوہ (ارکان) کو ذکر نہ کرنا۔

**استعارة تخييلية** : تشبيه شئي بشئي يثبت للمشبه شئي من لوازم المشبه به .

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

استعارۂ تخییلیہ کہتے ہیں ایک چیز کو دوسری چیز سے تشبیہ دی جائے ، مشبہ کے لیے مشبہ بہ کے لوازم میں سے کسی لازم کو ثابت کر دیا جائے۔

**استعارة ترشيحية**: تشبيه شئي بشئي وذكر مناسب للمشبه من مناسبات المشبه به.

استعارۂ ترشیحیہ یہ ہے کہ ایک چیز کو دوسری چیز سے تشبیہ دی جائے مشبہ کو ذکر کیا جائے اور مشبہ کے لیے مشبہ بہ کے کسی مناسب کو ذکر کر دیا جائے۔

**ابهام** : هو ان يذكر لفظ له معنيان قريب وبعيد ويراد به البعيد .

ابہام کہتے ہیں ایسے لفظ کو جس کے دو معنی ہوں ایک معنی قریب اور دوسرا معنی بعید، قریب معنی کو چھوڑ کر بعید معنیٰ مراد لیا جائے۔

**نظم القرآن** : هو تاليف كلماته مترتبة المعانى متناسقة الدلالات علی حسب مايقتضيه العقل لا تواليها فى المنطق وضم بعضهاالى بعض كيف مااتفق .

نظم قرآن: قرآن کے کلمات کو باہم اس طرح جوڑ دینے کا نام ہے کہ جس کے معانی ترتیب وار ہوں، اوراس کی دلالتوں میں عقل کے تقاضے کے مطابق تناسب وتناسق ہو نہ کہ کیف ما اتفق نطق کے اندر پے در پے الفاظ کے جمع ہو جانے اور بعض کے بعض کے ساتھ مل جانے کا نام ہے۔

**قواعد** :هی جمع قاعدة وهی حكم كلی ينطبق علی جميع جزئياته.
قواعد قاعدہ کی جمع ہے قاعدہ ہر ایسے حکم کلی کو کہتے ہیں جو اپنے تمام جزئیات پر منطبق ہو جائے۔

**حشو**: هو الزائد المستغنى عنه نحو ع هواعلم علم اليوم والامس قبله.

حشو کلام میں ایسی زیادتی جس سے کلام بے نیاز ہو۔

**تطويل** : هو الزائد علی اصل المراد بلا فائدة ع الفى قولها كذبا ومينا.

تطویل کلام میں ایسی زیادتی کو کہتے ہیں جو اصل مراد پر زائد ہو اور اس کا کوئی فائدہ بھی نہ ہو۔

**امثله** : وهی الجزئيات المذكورة لإيضاح القواعد.
ان جزئیات کو کہتے ہیں جنہیں قواعد کی وضاحت کے لیے ذکر کیا جاتا ہے۔

**شواهد**: وهی الجزئيات المذكورة لاثبات القواعد.
ان جزئیات کو کہتے ہیں جنہیں قواعد کو ثابت کرنے کے لیے ذکر کیا جاتا ہے۔

**نوٹ**: امثلہ وشواہد کے درمیان عموخصوص مطلق کی نسبت ہے۔

**مقدمة العلم**: يقال مقدمة العلم لما يتوقف عليه الشروع في مسائله.

مقدمۃ العلم اسے کہتے ہیں جس کے اندر ایسی چیزوں کو بیان کیا جائے جن پر اس علم کے مسائل کا شروع کرنا موقوف ہو۔ (تعریف، موضوع، غایت)

**مقدمة الكتاب**: هي طائفة من كلام الكتاب قدمت امام المقصود لارتباط له بها وانتفاع بها فيه.

کتاب کے اس حصے کو کہتے ہیں جسے مقصود سے پہلے ذکر کیا جائے تاکہ مقصود اس حصہ سے مربوط ہو جائے اور اس سے مقصود میں فائدہ حاصل ہو۔

**الفصاحة**: هي في الاصل تنبئ عن الابانة والظهور.

فصاحت لغت میں ابانت وظہور پر دلالت کرتا ہے۔

**نوٹ**: فصاحت لغت میں بہت سارے معنی پر بولا جاتا ہے لیکن تمام معنی ابانت وظہور کو مستلزم ہیں۔

**نوٹ**: مصنفؒ نے فصاحت کی اصطلاحی تعریف نہیں کی ہے اس لیے کہ اس کی کوئی ایسی جامع تعریف نہیں ہے جو اس کے تینوں اقسام کو شامل ہو جیسا کہ مستثنیٰ کی کوئی تعریف نہیں کی جاسکتی چنانچہ فصاحت کی تین قسمیں ہیں (۱) فصاحت فی المفرد (۲) فصاحت فی الکلام (۳) فصاحت فی المتکلم

**البلاغة**: هي تنبئ عن الوصول والانتهاء.

بلاغت کے لغوی معنی ہیں "پہنچنا"

**نوٹ**: مصنفؒ نے فصاحت کی طرح بلاغت کی بھی اصطلاحی تعریف نہیں کی ہے اس لیے کہ کوئی ایسی تعریف نہیں جو اس کے دونوں قسموں کو جامع ہو چنانچہ بلاغت کی دو قسمیں ہیں (۱) بلاغت فی الکلام (۲) بلاغت فی المتکلم

**فصاحة في المفرد**: هو خلوصه من تنافر الحروف والغرابة

**ومخالفة القياس اللغوى.**

فصاحت فی المفرد، کلمہ کا تنافر حروف، غرابت، اور مخالفت قیاس لغوی سے خالی ہونا ہے۔

**التنافر** : هو وصف فی الكلمة يوجب ثقلها على اللسان عسر النطق بها نحو "مستشزرات"

تنافر کلمہ کے اندر ایسا وصف ہے جو زبان پر باعث ثقل ہو اور اس کا تلفظ دشوار ہو جیسے مستشزرات۔

**نوٹ**: تنافر کو پہچاننے کے لیے علماء کے مختلف اقوال منقول ہیں لیکن علامہ تفتازانی نے ایک راجح قول علامہ ابن اثیرؒ سے نقل کیا وہ یہ ہے کہ ذوق سلیم جس کلمہ کے تلفظ کو ثقیل ومشکل سمجھے وہ کلمہ متنافر ہوگا خواہ یہ ثقل ایسے حروف کے جمع ہونے کی وجہ سے ہو جن کے مخارج قریب قریب ہیں یا بعید المخارج حروف کے جمع ہونے سے ہو یا ان کے علاوہ کسی اور وجہ سے ہو۔

**نوٹ**: الذوق هو قوة يدرك بها لطائف الكلام ووجوه تحسينه.

ذوق اس قوت کا نام ہے جس کے ذریعہ کلام کے لطائف اور اس کے وجوہ تحسین کا ادراک کیا جائے۔

**الغرابة** : هى كون الكلمة وحشية غير ظاهرة المعنى ولا مانوسة الاستعمال نحو مسرج.

غرابت کہتے ہیں ایسے جنبی کلمہ کو جو غیر مانوس الاستعمال ہو اور اس کی مراد ظاہر نہ ہو جیسے مسرج۔

**المخالفة**: هى ان تكون الكلمة على خلاف قانون مفردات الالفاظ الموضوعة نحو اجلل بلا اغام.

مخالفت: کلمہ کا وضع کردہ مفرد الفاظ کے قاعدہ کے خلاف ہونا یعنی واضع کی وضع کے

خلاف ہونا جیسے اجلل بغیر ادغام کے۔

**فصاحت فی الکلام**: هو خلوصه من ضعف التاليف وتنافر الكلمات والتعقيد مع فصاحتها.

فصاحت فی الکلام: کلام کا خالی ہونا ضعف تالیف، تنافر کلمات، اور تعقید سے اس کے تمام کلمات فصیح ہونے کے ساتھ۔

**ضعف تالیف** : هو ان يكون تاليف الكلام على خلاف القانون النحوى المشهور بين الجمهور كالإضمار قبل الذكر لفظا ومعناً وحكماً نحو ضرب غلامه زيدا.

ضعف تالیف: یہ ہے کہ کلام کی ترتیب جمہور نحاۃ کے مابین کسی مشہور نحوی قاعدہ کے مخالف ہو جیسے اضمار قبل الذکر لفظا ومعناہ وحکماً جیسے ضرب غلامہ زیداً۔

**تنافر کلمات** : هى أن تكون الكلمات ثقيلة على اللسان وان كان كل منهما فصيحة نحو ، وليس قرب قبر حرب قبر.

تنافر کلمات یہ ہے کہ کلمات زبان پر باعث ثقل ہوں اگرچہ ان میں سے ہر ایک فصیح کیوں نہ ہو جیسے لیس قرب قبر حرب قبر۔

**التعقيد**: هو كون الكلام معقدا أن لايكون الكلام ظاهر الدلالة على المراد لخلل واقع إمّا فى النظم نحو ومامثله فى الناس الامملكا ابوامه حيٌّ ابوه يقاربه وإما فى الإنتقال نحو ساطلب بعد الدار عنكم لتقربوا وتسكب عيناى الدموع لتجمدا

تعقید کلام کا ایسا پیچیدہ ہونا کہ اس کی مراد ظاہر نہ ہو کسی ایسے خلل کی وجہ سے جو یا تو الفاظ میں واقع ہوتا ہے جیسے وما مثله فى الناس الخ یا انتقال میں واقع ہوتا ہے (ذہن کا معنیٰ حقیقی سے معنیٰ مجازی کی طرف منتقل ہونے میں) جیسے ساطلب بعد الدار عنكم لتقربوا الخ.

**فصاحت فی المتکلم:** هی ملکة یقتدر بها علی التعبیر عن المقصود بلفظ فصیح.

فصاحت فی المتکلم: ایسا ملکہ ہے جس کی وجہ سے انسان اپنے مافی الضمیر کو فصیح الفاظ میں ادا کرنے پر قادر ہوتا ہے۔

**ملکة** : هی کیفیة راسخة فی النفس .

ملکہ اس کیفیت کا نام ہے جو نفس کے اندر جاگزیں ہوں۔

**کیفیة** : هی عرض لایتوقف تعقله علی تعقل الغیر ولایقتضی القسمة واللاقسمة فی محله اقتضاء اولیا.

کیفیت: وہ ایسا عرض (قائم بالغیر) ہے جس کا سمجھنا دوسرے کے سمجھنے پر موقوف نہ ہو اور وہ اپنے محل میں تقسیم اور عدم تقسیم کا اقتضاء اولی کے طور پر تقاضہ نہ کرتا ہو۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

**والاعراض علی تسعة اقسام:**

(۱) کم (۲) کیف (۳) متی (۴) این (۵) اضافت (۶) وضع (۷) ملک (۸) فعل (۹) انفعال.

**البلاغة فی الکلام** : هی مطابقة لمقتضی الحال مع فصاحته .

بلاغت فی الکلام: کلام کا مقتضاء حال کے مطابق ہونا ہے کلام کے فصیح ہونے کے ساتھ ساتھ۔

**حال** : هو الامر الداعی الی ان یعتبر مع الکلام الذی یؤدی به اصل المراد خصوصیّة.

حال وہ ایسی قوت ہے جو اس بات کی داعی ہو کہ جس کلام کے ذریعہ مقصود کو ادا کیا جاتا ہے اس کے اندر کسی خصوصیت کا لحاظ کیا گیا ہو۔

**البلاغة فی المتکلم:** ملکة یقتدر بها علی تالیف کلام بلیغ.

**بلاغت فی المتکلم** ایسا ملکہ ہے جس وجہ سے متکلم کلام بلیغ کرنے پر قادر ہو جاتا ہے۔

مقتضی حال اور مطابقت مقتضی حال: متکلم اپنی مراد کو ادا کرنے کے لیے کلام کے اندر جس خصوصیت اور نکتہ کا اعتبار کرے وہ نکتہ اور خصوصیت مقتضی حال کہلاتا ہے اور کلام کا اس خصوصیت پر مشتمل ہونا مطابقت مقتضی حال ہے۔

**نوٹ**: معنی مرادی کی ادائیگی میں غلطی سے بچنے کے لیے علم معانی کو وضع کیا گیا ہے اور تعقید معنوی سے بچنے کے لیے علم بیان کو وضع کیا گیا ہے ان دونوں علموں کو علم بلاغت بھی کہتے ہیں۔

اور جس کے ذریعہ بلاغت کے توابع کو جانا جاتا ہے اس کو علم بدیع کہتے ہیں ان تینوں کو کبھی علماء بلاغت علم بیان سے موسوم کرتے ہیں اور کبھی اول کو علم معانی ثانی اور ثالث کو علم بیان کہتے ہیں اور کبھی تینوں کو علم بدیع سے موسوم کرتے ہیں۔

# الفن الاول علم المعانی

**علم**: (مراده) هو ملكة يقتدر بها على إدراكات جزئية.

وہ (علم) ایسا ملکہ ہے جس کے ذریعہ انسان جزئیات کو سمجھنے پر قادر ہوتا ہے۔

**علم المعاني**: هو علم يعرف به أحوال اللفظ العربي التي بها يطابق اللفظ مقتضى الحال.

علم معانی: وہ علم ہے جس کے ذریعہ لفظ کے ان احوال کو جانا جاتا ہے جن کی وجہ سے لفظ مقتضی حال کے مطابق ہوتا ہے۔

**نوٹ**: احوال لفظ سے مراد وہ امور ہیں جو لفظ کو پیش آتے ہیں جیسے تقدیم، تاخیر، حذف وغیرہ۔

**خبر وانشاء**: الكلام ان كان لنسبة خارج تطابق او لا تطابقه فخبر والا فانشاء.

کلام کی اگر کوئی نسبت خارجیہ ہو اور نسبت کلامیہ یا تو اس نسبت خارجیہ کے مطابق ہوگی یا نہیں ہوگی دونوں صورتوں میں خبر ہے ورنہ پس انشاء ہے۔

**تنبیه**: فى اللغة الايقاظ وفى الاصطلاح اسم لكلام مفصل لاحق يفهم معناه اجمالاً من الكلام السابق.

تنبیہ لغت میں بیدار کرنے کو کہتے ہیں اصطلاح میں کلام مجمل کے بعد کلام مفصل کو لایا جائے۔

**صدق الخبر**: هو مطابقة الخبر للواقع.

نسبت کلامیہ کا نسبت خارجیہ کے مطابق ہونا۔

**كذب خبر**: هو عدم مطابقة الخبر للواقع.

نسبت کلامیہ کا نسبت خارجیہ کے مطابق نہ ہونا (مذکورہ صدق، کذب کی تعریف جمہور کی ہے)۔

**نوٹ:** صدق خبر اور کذب خبر کی تعریف کے سلسلے میں جمہور، نظام معتزلی اور علامہ جاحظ کے درمیان اختلاف ہے نظام معتزلی کہتے ہیں کہ اگر خبر مخبر کے اعتقاد کے مطابق ہو تو وہ صدق ہے، اگر مخبر کے اعتقاد کے مطابق نہ ہو تو وہ کذب ہے، علامہ جاحظ کہتے ہیں کہ خبر کا صدق یہ ہے کہ خبر واقع کے مطابق ہو اور مخبر کو اس کا اعتقاد بھی ہو کہ خبر واقع کے مطابق ہے اور کذب خبر یہ ہے کہ خبر واقع کے مطابق نہ ہو اور مخبر کو اس کا اعتقاد بھی ہو کہ خبر واقع کے مطابق نہیں گویا کہ علامہ جاحظ کی تعریف خاص ہے جمہور، نظام صاحب کی تعریف عام ہے۔

# احوال الاسناد خبری

**اسناد خبری** : وهو ضم كلمة او مايجرى مجراها الى اخرى بحيث يفيد المخاطب ان مفهوم احدهما ثابت لمفهوم الاخرى أو منفى عنه .

اسناد خبری: یہ ہے کہ ایک کلمہ یا اس کا کوئی قائم مقام دوسرے کلمہ کے ساتھ اس طرح مل جائے کہ مخاطب کو اس بات کا فائدہ ہو کہ ان دونوں میں سے ایک کا مفہوم دوسرے کے مفہوم کے لیے ثابت ہے یا ثابت نہیں ہے۔

**فائدة الخبر** : الحكم الذى يقصد المخبر بالخبر افادة المخاطب.

فائدۃ الخبر : یہ ہے کہ مخبر اپنی خبر سے مخاطب کو فائدہ پہنچانے کا ارادہ کرے۔

**لازم فائدة الخبر** : كون المخبر عالماً بالحكم.

لازم فائدۃ خبر: یہ ہے کہ مخبر اپنی خبر سے مخاطب کو یہ بتلائے کہ وہ بھی اس خبر کو جانتا ہے جس کو مخاطب جانتا ہے۔

**نوٹ**: خبر کی تین قسمیں ہیں۔

**خبر اولی** : ان كان المخاطب خالى الذهن من الحكم والتردد فيه استغنى عن موكدات الحكم .

مخاطب اگر حکم سے خالی الذہن ہو اور اس کو تردد بھی نہ ہو تو حکم کو موکد کرنے کی ضرورت نہیں۔

**خبر طلبی**: ان كان المخاطب متردداً فى الحكم حسن تقويته بموكد.

مخاطب اگر حکم کے سلسلے میں متردد ہو تو اس کو تاکید کے ساتھ موکد کرنا بہتر ہے۔

**خبر انکاری**: ان كان المخاطب منكر الحكم وجب توكيده

بحسب الإنكار.
مخاطب اگر بالکل حکم کا منکر ہی ہو تو اس کے انکار کے مطابق خبر کو موکد کرنا ضروری ہے۔

## مقتضی ظاہر اور مقتضی حال میں فرق:

مقتضی حال وہ امر ہے جو کلام کو کسی بھی صفت کے ساتھ متصف کرنے کا تقاضہ کرتا ہو خواہ وہ نفس الامر میں ہو یا نہ ہو بلکہ متکلم کے نزدیک ثابت ہو اور مقتضی ظاہر وہ امر ہے جو کلام کو کسی بھی صفت کے ساتھ متصف کرنے کا تقاضہ کرتا ہو اس شرط کے ساتھ کہ وہ نفس الامر میں ثابت ہو گویا ان دونوں کے درمیان عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے یعنی مقتضی ظاہر خاص مطلق اور مقتضی حال عام مطلق ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

## اسناد کی دو قسمیں ہیں:

حقیقت عقلیہ : اسناد الفعل او معناه الى ماهو له عند المتكلم فى الظاهر.
فعل یا معنی فعل کی نسبت اس چیز کی طرف کردی جائے جس کے لیے فعل یا معنی فعل ثابت ہو متکلم کے نزدیک اس کے ظاہر حال میں۔
حقیقت عقلیہ کی تعریف چار قسموں کو شامل ہے۔
(۱) مايطابق الواقع والاعتقاد كقول المومن انبت الله البقل .
پہلی قسم یہ ہے کہ جو واقع اور اعتقاد دونوں کے مطابق ہو جیسے مومن کا قول انبت الله البقل
(۲) مايطابق الاعتقاد فقط دون الواقع كقول الجاهل "انبت الربيع البقل".
دوسری قسم یہ ہے کہ جو صرف اعتقاد کے مطابق ہو جیسے کافر کا قول "انبت الربيع البقل"

**(۳) مایطابق الواقع فقط کقول المعتزلی خلق الله الافعال کلها .**

تیسری قسم یہ ہے کہ جوصرف واقع کے مطابق ہو، جیسے معتزلی کا قول **خلق الله الافعال کلها** ( کیوں کہ معتزلی بندے کوبعض افعال کا خالق مانتے ہیں )

**(۴) مالا یطابق الواقع والاعتقاد نحو قولک جاء زید وانت تعلم خاصة انه لم یجئی .**

چوتھی قسم یہ ہے کہ جو نہ واقع کے مطابق ہو اور نہ اعتقاد کے جیسے آپ نے کہا ''زید آیا'' حالانکہ صرف آپ جاتے ہیں کہ زید نہیں آیا۔

**(۲) مجاز عقلی** : **وهو اسناد الفعل او معناه الی ملابس له غیر ماهو له بتاول .**

مجاز عقلی: کہتے ہیں فعل یا معنیٰ فعل کی اسناد غیر ماہولہ کی طرف کردی جائے قرینہ کے ساتھ۔

**نوٹ**: **التاول(فی التعریف المذکور) مراده انک تطلب مایؤل الیه .**

تأوّل کے لغوی معنیٰ ہیں کسی چیز کی طرف التفات کرنا تعریف کے اندر جوتاول ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اس حقیقت کوطلب کیا جائے جس کی طرف مجاز لوٹے یعنی مجاز عقلی سے حقیقت کی طرف رجوع کرنے کا نام تاول ہے۔

**نسبت اضافی** : **اضافة الشئی الی غیره.**

جس میں ایک چیز کی اضافت دوسری چیز کی طرف کی جائے۔

**نسبت ایقاعی**: **ایقاع الشئی علی غیره .**

جس میں ایک شی کودوسرے شئی پرواقع کیا جائے۔

مجاز عقلی کی طرفین کے حقیقت ومجاز ہونے کے اعتبار سے چار قسمیں ہیں۔

(۱) مسندومسندالیہ دونوں حقیقت ہوں گے **انبت الربیع البقل .**

(۲) مسندومسندالیہ دونوں مجازی ہوں گے، **احی الارض شباب الزمان.**

(۳) مسند و مسند الیہ دونوں مختلف ہوں گے (مسند حقیقت و مسند الیہ مجاز) انبت البقل شباب الزمان.

(۴) مسند و مسند الیہ دونوں مختلف ہوں گے عکس کے ساتھ (مسند مجاز مسند الیہ حقیقت) احی الارض الربیع .

**قرینه** : هو الامر الدال على الشئى.

وہ امر ہے جو کسی چیز پر دلالت کرے۔

**قرینه لفظیه** : قرینہ لفظیہ یہ ہے کہ لفظوں میں کوئی ایسی چیز موجود ہو جو ظاہر اسناد مراد لینے سے مانع ہو۔

**قرینۂ معنویه**: قرینہ معنویہ یہ ہے کہ لفظوں میں کوئی چیز موجود نہ ہو مگر مسند کا قیام مسند الیہ کے ساتھ عقلاً یا عادۃ محال ہو۔

**تعریض** : وهو امالة الكلام الى عرض كقولك لشخص يضر الناس خير الناس من ينفعهم .

تعریض کہتے ہیں کلام کو کسی گوشہ کی طرف مائل کر دینا جیسے تیرا کہنا اس شخص سے جو لوگوں کو نقصان پہنچا سکے "خیر الناس من ینفعهم".

# احوال المسند الیہ

**مسندالیہ:** وہ اسم ہے جس کے لیے کوئی حکم ثابت کیا جائے جیسے **زید عالم** میں **زید**

**حذف المسند الیہ:** حذف مسندالیہ کو ذکر مسندالیہ پر ترجیح دینے والے امور یہ ہیں۔

احترازعن العبث کی وجہ سے اور دو دلیلوں (عقل، لفظ) میں سے اقوی (عقل) کی طرف عدول کرنے کی وجہ سے مسندالیہ کو حذف کرتے ہیں جیسے **قال لی کیف انت قلت علیل** یہاں انا مبتداء محذوف ہے قرینہ کے وقت سامع کی بیدار مغزی کو آزمانے کے لیے مسندالیہ کو حذف کیا جاتا ہے جیسے **نورہ مستفاد من نور الشمس** یہاں **القمر** مسندالیہ محذوف ہے کبھی مسندالیہ کو حذف کیا جاتا ہے سامع کی فہم مقدار کو آزمانے کے لیے کہ وہ مخفی قرائن سے متنبہ ہوتا ہے یا نہیں جیسے **ھو واسطہ عقد الکواکب** یہاں **القمر** مسندالیہ محذوف ہے کبھی مسندالیہ کی عظمت شان کی وجہ سے اس کو اپنی زبان سے محفوظ رکھنے کے لیے مسندالیہ کو ذکر نہیں کرتے جیسے **مقرر للشرائع موضح الدلائل فیجب اتباعہ** مذکورہ مثالوں میں **ھو** مبتداء محذوف ہے، کبھی مسندالیہ کے حقیر ہونے کی وجہ سے متکلم اپنی زبان کو اس سے محفوظ رکھنے کے لیے مسندالیہ کو ذکر نہیں کرتا جیسے **موسوس ساغ فی الفساد فتجب مخالفتہ** یہاں مسندالیہ شیطان محذوف ہے کبھی مسندالیہ کو حذف کرتے ہیں تاکہ ضرورت پیش آنے پر انکار کا موقع مل سکے جیسے کسی نے کہا **فاجرٌ، فاسق** وغیرہ۔

کبھی مسندالیہ کے یقین ہونے کی وجہ سے مسندالیہ کو حذف کرتے ہیں جیسے **خالق لما یشاء** یہاں مسندالیہ اللہ متیقن ہے کبھی مسندالیہ کو حذف کرتے ہیں اس کے متعین ہونے کا دعوی کرنے کے لیے اگرچہ وہ حقیقت میں متعین نہیں جیسے **وھاب الالوف** یہاں **السلطان** محذوف ہے۔

**نوٹ:** مسند الیہ کے حذف کے اسباب ترجیح اور بھی ہیں انہیں پر منحصر نہیں ہے جیسے فرصت کے فوت ہو جانے کی وجہ سے مسند الیہ کو حذف کر دیا جاتا ہے جیسے شکاری کا قول **غزال غزال ای هذا الغزال.**

ذکر مسند الیہ: مسند الیہ کے ذکر کے وجوہ ترجیح بہت ہیں ان میں سے چند یہاں ذکر کی جاتی ہیں مسند الیہ کا ذکر اس کے اصل ہونے کی وجہ سے اور قرینہ پر اعتماد کے کمزور ہونے کی وجہ سے بھی اس کو ذکر کرتے ہیں کبھی مسند الیہ کو ذکر کرتے ہیں سامع کی کند ذہنی اور غباوت پر تنبیہ کرنے کے لیے جیسے کسی نے کہا **ماذا قال خالد** متکلم اس کے جواب میں کہے **خالد قال کذا** حالانکہ اس جگہ صرف **قال کذا** پر اکتفاء کرنا چاہیے۔

کبھی مسند الیہ کو مخاطب کے ذہن و دماغ میں جاگزیں کرنے کے لیے ذکر کرتے ہیں جیسے قولہ تعالی **اولئک علی هدی من ربّهم الخ** اس آیت میں دوسرا **اولئک** پہلے **اولئک** کے بعد صرف مخاطب کے ذہن میں جاگزیں کرنے کے لیے لائے ہیں۔

مسند الیہ کے مدلول کی حقارت اور اہانت کو بتلانے کے لیے مسند الیہ کو ذکر کرتے ہیں جیسے کسی نے کہا **هل حضرت السارق** اس کے جواب میں کہا گیا **السارق اللئیم حاضر** حالاں کہ یہاں صرف حاضر پر اکتفاء کرنا چاہیے کبھی مسند الیہ کی ذات سے برکت حاصل کرنے کے لیے مسند الیہ کو ذکر کرتے ہیں جیسے کسی نے کہا **هل قال هذا القول رسول الله صلی الله علیه وسلم** اس کے جواب میں کہا گیا **نعم النبی قائل هذا القول** حالاں کہ یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نہیں کرنا چاہیے تھا مسند الیہ کے ذکر سے لذت اور مزہ حاصل کرنے کے لیے مسند الیہ کو ذکر کرتے ہیں جیسے کسی نے کہا **هل حضر حبیبک** اس کے جواب میں کہا گیا **نعم حبیبی حاضر** حالاں کہ یہاں صرف حاضر کہنا چاہیے تھا کبھی مخاطب کی عظمت و شرافت کی وجہ سے اپنی طرف متوجہ کرنے کی غرض سے، متکلم کلام کو طویل کرنے کی غرض سے مسند الیہ کا ذکر کرتا ہے جیسے حضرت موسیٰ کا قول **هی عصای اتوکأ علیها وأهش بها علی غنمی الخ** حالاں کہ یہاں صرف

عصای کہنا چاہیے تھا بھی تعجب کا اظہار کرنے کے لیے مسندالیہ کا ذکر کرتے ہیں۔

**نوٹ:** ذکرمسندالیہ کے وجوہ ترجیح انہیں پر منحصر نہیں ہیں۔

**تعریف المسند الیہ:** مسندالیہ کو معرفہ کئی طریقوں سے لایا جاتا ہے ان میں سے ایک ضمیر کے ساتھ پھر ضمیر یا تو ضمیر متکلم ہوگی جیسے انا ضربت یا خطاب کی ہوگی جیسے **انت ضربت** یا غائب کی ہوگی جیسے **ھو ضرب**۔

**نوٹ:** مقام غیبت میں مسندالیہ معرفہ ضمیر غائب کے ساتھ اس لیے ہوگا کہ اس ضمیر کا مرجع سابق میں مذکور ہوتا ہے۔

اب اس مرجع کی تین صورتیں ہیں (۱) لفظاً (۲) معناً (۳) حکماً اگر مرجع لفظا مذکور ہے تو اس کی دو صورت ہے (۱) لفظاً تحقیقاً جیسے **زید یضرب** (۲) لفظاً تقدیراً جیسے **ضرب غلامه زید** اور اگر مرجع معنیً مقدم ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں:

(۱) اس مرجع پر یا تو لفظ دلالت کرے گا جیسے **اعدلوا ھو اقرب للتقوی**۔

(۲) یا قرینہ حالیہ دلالت کرے گا جیسے **ولابویه** میں ضمیر کا مرجع میّت ہے اور اگر مرجع حکماً مقدم ہو تو اسکی مثال **ربه رجلا**۔

(۲) مسندالیہ کو معرفہ کبھی علم کی صورت میں لاتے ہیں تا کہ سامع کے ذہن میں بعینہ اس کے خاص نام کے ساتھ ابتداءً حاضر کرسکیں جیسے **قل ھو الله احد** میں **الله**۔

نوٹ: علم وہ لفظ ہے جو وضع کیا گیا ہے ذات معین کے لیے اس کے تمام مشخصات کے ساتھ۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(۳) مسندالیہ کو معرفہ کبھی موصول کی صورت میں لاتے ہیں جب کہ مخاطب کو صلہ کے علاوہ دوسرے ان احوال کا علم نہ ہو جو مسندالیہ کے ساتھ خاص ہے جیسے تیرا کہنا "**الذی کان معنا امس رجل عالم**"۔

(۴) مسندالیہ کو معرفہ کبھی الف لام کی صورت میں لاتے ہیں تا کہ اس کے ذریعہ خارج میں معہود و معین چیز کی طرف اشارہ کیا جاسکے جیسے **ولیس الذکر کالانثی** یہاں

**الذکر** سے اشارہ **ما فی بطنی** میں جو **الذکر** مراد ہے اس کی طرف ہے۔

**نوٹ:** لام تعریف کی دو قسمیں ہیں لام عہد خارجی اور لام حقیقت پھر لام عہد خارجی کی تین قسمیں ہیں:

(۱) صریحی (۲) کنائی (۳) علمی اور لام حقیقت کی چار قسمیں ہیں (۱) لام جنس (۲) لام عہد ذہنی (۳) لام استغراقی حقیقی (۴) لام استغراقی عرفی۔

(۵) مسند الیہ کو معرفہ کبھی اسم اشارہ کی صورت میں لاتے ہیں تاکہ مدح میں مبالغہ پیدا کر کے مسند الیہ کو مکمل طور پر اس کے ماسوا سے ممتاز کیا جاسکے جیسے **ھذا ابو الصقر فردا فی محاسنه** یہاں ہذا مسند الیہ اسم اشارہ کی شکل میں لائے ہیں۔

(۶) مسند الیہ کو معرفہ لایا جاتا ہے کبھی اضافت کے ذریعہ یعنی کسی معرفہ کی طرف اضافت کر کے مسند الیہ کو معرفہ بنا دیا جاتا ہے جب کہ سامع کے ذہن میں مختصر طریقہ پر مسند الیہ کو حاضر کرنا مقصود ہو جیسے

**هو ای مع الركب اليمانين مصعد**، یہاں "ھوای" **الذی اھواہ** کا مختصر ہے۔

**تنكير المسند اليه**: مسند الیہ کو نکرہ لانے کے کئی اسباب ہیں ان میں سے پہلا سبب یہ ہے کہ اسم جنس نکرہ جن جن افراد پر صادق آتا ہے اگر ان میں سے کسی ایک فرد غیر معین پر حکم لگانا مقصود ہو تو مسند الیہ کو نکرہ لاتے ہیں جیسے **جاء رجل من اقصى المدينة يسعى** یہاں **رجل** نکرہ ہے اور اس سے جنس **رجل** کا غیر متعین فرد مراد ہے۔

(۲) مسند الیہ کو نکرہ لاتے ہیں نوعیت کے لیے یعنی جب اسم جنس نکرہ کی انواع میں سے کسی نوع پر حکم لگانا ہو جیسے "**وعلى ابصارهم غشاوه**" یہاں "**غشاوة**" نکرہ ہے اور مراد اس سے ایک خاص قسم کا پردہ یعنی اللہ کی آیتوں سے اندھا ہونے کا پردہ۔

(۳) مسند الیہ کو نکرہ لاتے ہیں تعظیم اور تحقیر کے لیے جیسے **له حاجب عن كل امر يشينه ،وليس له عن طالب العرف حاجب**.

یہاں پہلے حاجب کی نکارت تعظیم کے لیے اور دوسرے حاجب کی تحقیر کے لیے۔

(۴) مسندالیہ کونکرہ لاتے ہیں تکثیر کے لیے جیسے ان لـه لإبلا ای إبل کثیر یا تقلیل کے لیے جیسے " ورضوان من الله أكبر "، أى "رضوان قليل"

(۵) مسندالیہ کونکرہ لاتے ہیں تعظیم وتکثیر کے لیے جیسے وان یکذبوک فقد کذبت رسل من قبلک یہاں رسل کی نکارت تعظیم وتکثیر دونوں کے لیے ہوسکتی ہے۔

(٦) مسندالیہ کونکرہ لاتے ہیں تحقیر وتقلیل کے لیے جیسے حصل لی منه شئی یہاں شئی کی نکارت تحقیر وتقلیل کے لیے ہے۔

**وصف المسند اليه** : مسندالیہ کے لیے صفت اس لیے لاتے ہیں تاکہ وہ مسندالہ کے معنی کوواضح اور مبین کردے جیسے تیرا کہنا "الجسم الطويل العريض العميق يحتاج الى فراغ يشغله "

(۲) کبھی مسندالہ کے لیے صفت لاتے ہیں مسندالیہ میں تخصیص پیدا کرنے کے لیے جیسے رجل تاجر عند نا یہاں رجل کے اندر تاجر غیر تاجر دونوں داخل تھے لیکن تاجر نے آکر غیر تاجر کو نکال دیا۔

**نوٹ**: تخصیص یہ ہے کہ اگر مسندالیہ نکرہ ہے تو وصف کے ذریعہ اس کے اشتراک کو کم کردیا جائے اگر معرفہ ہے تو وصف کے ذریعہ اشتراک کے احتمال کوختم کردیا جائے۔

(۳) کبھی مسندالیہ کی مدح کے لیے صفت لاتے ہیں جیسے جاء نی زید العالم یا مذمت کے لیے جیسے جاء نی زید الجاهل .

(۴) کبھی مسندالیہ کی تاکید کے لیے وصف لایا جاتا ہے جیسے امس الدابر کان یوما عظیماً یہاں " الدابر " امس مسندالیہ کی تاکید ہے کیوں کہ دونوں کامعنی ایک ہے۔

**توكيد المسند اليه** : سامع کے ذہن میں مسندالیہ کے مفہوم ومدلول کواس طرح محقق اورثابت کردیا جائے کہ سامع کا ذہن کسی دوسرے کی طرف منتقل نہ ہو جیسے "جاء نی زید زید"

(۲) کبھی مسند الیہ کی تاکید لائی جاتی ہے مجاز کے وہم کو دور کرنے کے لیے جیسے **قطع اللص الامیر الامیر** یہاں الامیر دو مرتبہ اس لیے لائے ہیں تاکہ الامیر سے بادشاہ کا خادم مراد ہونے کا وہم دور کر دیا جائے۔

(۳) کبھی مسند الیہ کی تاکید لائی جاتی ہے سہو کے وہم کو دور کرنے کے لیے جیسے "**جاء نی زید زید**".

(۴) کبھی مسند الیہ کی تاکید لائی جاتی ہے عدم شمول کے وہم کو دور کرنے کے لیے جیسے "**جاء نی القوم کلھم**".

**تعقیب المسند الیہ لعطف البیان:**

مسند الیہ کے لیے عطف بیان اس وقت لاتے ہیں جب کہ مسند الیہ کی ایسے اسم سے وضاحت مقصود ہو جو غیر کے احتمال کو رفع کرے جو اسم مسند الیہ کے ساتھ مختص ہے جیسے "**قدم صدیقک خالد**" یہاں خالد نے غیر خالد کے احتمال کو ختم کر دیا۔

**ابدال من مسند الیہ** : مسند الیہ کے لیے بدل اس وقت لایا جاتا ہے جب کہ غرض مسند الیہ کی تقریر کی زیادتی ہو جیسے "**جاء نی اخوک زید**"

نوٹ: بدل کی کل چار قسمیں ہیں (۱) بدل الکل (۲) بدل البعض (۳) بدالاشتمال (۴) بدل الغلط۔

**عطف علی المسند الیہ** : مسند الیہ پر عطف اس لیے کیا جاتا ہے تاکہ کلام کے اندر اختصار کے ساتھ مسند الیہ کی تفصیل ہو جائے جیسے **جاء نی زید وعمرو**.

(۲) کبھی مسند الیہ پر عطف کیا جاتا ہے مسند کی تفصیل کے لیے جیسے جاء نی زید وعمرو بعدہ بیوم

(۳) کبھی مسند الیہ پر عطف کیا جاتا ہے تاکہ سامع کو غلطی سے درستگی کی طرف پھیر دیا جائے جو اس نے محکوم علیہ کے سلسلہ میں کی ہے مثلاً جاء نی زید لا عمر ویہاں متکلم نے زید کے آنے کی خبر دینے کے سلسلہ میں غلطی کی تھی تو لا حرف عطف لا کر غلطی کو دور کر دیا۔

(۴) کبھی مسند الیہ پر عطف کیا جاتا ہے تا کہ حکم کو پھیر دیا جائے ایک محکوم علیہ سے دوسرے محکوم علیہ کی طرف جیسے **جاء نی زید بل عمر** یہاں زید سے مجیئت کا حکم عمرو کی طرف پھیر دیا گیا۔

(۵) کبھی مسند الیہ پر عطف کیا جاتا ہے شک کی وجہ سے (متکلم کو شک ہے) یا تشکیک (شک میں ڈالنے) کے لیے جیسے "**جاء نی زید أو عمرو**" یہاں او کے ذریعہ عطف کیا گیا ہے تا کہ زید اور عمرو کی مجیئت میں شک پیدا ہو جائے۔

(٦) کبھی مسند الیہ پر عطف کیا جاتا ہے ابہام کے لیے (سامع سے حکم کو مخفی رکھنے کے لیے) جیسے "**وانا او ایاکم لعلی هدی او فی ضلل مبین**" اس میں أو لا کر ہدایت پر کون سے اس کو مخفی رکھا گیا ہے۔

(۷) کبھی مسند الیہ پر عطف کیا جاتا ہے تخییر یا اباحت کے لیے جیسے **خذ هذا أو هذا** و **اذا حللتم فاصطادو** الخ۔

**تعقيب المسند اليه بضمير الفصل** : مسند الیہ کے بعد ضمیر لاتے ہیں مسند کو مسند الیہ پر منحصر کرنے کے لیے جیسے **زید هو قائم** اس مثال میں ہو ضمیر فصل لائے ہیں تا کہ قیام کو زید پر منحصر کیا جائے۔

**تقديم المسند اليه** : مسند الیہ کی تقدیم کبھی تو اس وجہ سے ہوتی ہے کہ اس کا ذکر اہم ہے اور اس کا اہم ہونا یا تو اس لیے ہے کہ تقدیم مسند الیہ اصل ہے اور عدول کا کوئی مقتضی نہیں ہے یا اس وجہ سے ہے کہ متکلم سامع کے ذہن میں خبر کو خوب راسخ کرنا چاہتا ہے جیسے "**والذی حارت البرية فيه**" یہاں جب متکلم نے کہا کہ وہ چیز جس نے مخلوق کو حیران کر دیا ہے تو دل میں شوق پیدا ہوا کہ حیران کرنے والی کیا چیز ہے جب شوق کے بعد خبر آئے گی تو راسخ ہو جائے گی۔

(۲) مسند الیہ کو کبھی اس لیے مقدم کرتے ہیں کہ سامع کو جلد سرور حاصل ہو اور سامع اس سے نیک فال مراد لے مثلاً متکلم کہے "**سعد فی دارک**" یہاں سعد کے معنی

سعادت مند اور خوش نصیب کے آئے ہیں جب سامع اس کو سنے گا تو نیک فال مراد لے گا اور خوش ہوگا۔

(۳) مسند الیہ کو کبھی مقدم کرتے ہیں تا کہ سامع کو جلد مغموم کیا جا سکے اور اس سے بدشگونی لے جیسے السفاح فی دار حبیبک یہاں السفاح کے معنی خونریز کے ہیں جب سامع سنے گا تو بدشگونی مراد لے گا اور غمگین ہوگا۔

(۴) مسند الیہ کی تقدیم کبھی اس لیے کرتے ہیں تا کہ سامع کے دل میں یہ وہم ڈالا جائے کہ مسند الیہ میرا محبوب ہے اس کے ذکر سے مجھے لذت حاصل ہوتی ہے جیسے ''الحبیب جاء''۔

**تاخیر المسند الیه** : مسندالیہ کو مؤخر اس جگہ لایا جاتا ہے جہاں کسی نکتہ کی وجہ سے مقام مسند کی تقدیم کا تقاضہ کرتا ہو اس جگہ مسند الیہ کو مسند سے موخر لایا جائے گا۔

**قد یخرج الکلام علی خلاف مقتضی الظاهر**:

کبھی کلام کو مقتضی ظاہر کے خلاف لاتے ہیں اور اس کی کئی صورتیں ہیں۔

(۱) ضمیر کو اسم ظاہر کی جگہ رکھدیا جاتا ہے جیسے نعم رجلا زید ،نعم الرجل کی جگہ۔

(۲) اسی طرح ضمیر شان اور ضمیر قصہ کا استعمال کرنا جیسے ''هو زید عالم'' اور ''هی راشدة قائمة''

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

نوٹ: اسم ظاہر کی جگہ ضمیر اس لیے لاتے ہیں تا کہ سامع کے ذہن میں ضمیر کے بعد آنے والی بات پختہ ہو جائے اور جم جائے۔

(۳) اسم ظاہر کو ضمیر کی جگہ لایا جاتا ہے اب وہ اسم ظاہر کبھی تو اسم اشارہ کی صورت میں ہوگا جیسے

کم عاقل عاقل اعیت مذاهبه
وکم جاهل جاهل تلقاه مرزوقا

**هـذا الـذی تـرک الأوهـام حـائـرة**
**وصیـر الـعـالـم الـنـحـریـر زنـدیـقـا**

نوٹ: یہاں ھو اسم اشارہ اسم ظاہر کی جگہ لائے ہیں اسم ظاہر کو اسم اشارہ کی صورت میں لانے کی کئی علتیں ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ مسند الیہ کو ماعدا سے ممتاز کرنا (اوپر مذکورہ مثال اسی کی ہے)

(۴) اسم ظاہر کو ضمیر کی جگہ لاتے ہیں اور وہ اسم ظاہر علم ہوتا ہے جیسے **قل هو الله احد الله الصمد** یہاں **الله**، **هو** کی جگہ میں ہے۔

**نـوٹ:** اسم ظاہر کو علم کی صورت میں لانے کا مقصد مسند الیہ کو سامع کے ذہن میں خوب ثابت کرنا ہوتا ہے۔

(۵) خلاف مقتضی ظاہر میں سے ایک صورت التفات ہے۔

**الالتفات:** **هو التعبير عن معنىً بطريق من الطرق الثلاثة بعد التعبير عنه باخر على خلاف مايقتضيه الظاهر .**

التفات کلام کو تینوں طریقوں (تکلم، خطاب، غیبت) میں سے کسی طریقہ کے ساتھ ادا کرنے کے بعد دوسرے طریقے پر ادا کرنا اس شرط کے ساتھ کہ تعبیر ثانی مقتضی ظاہر کے خلاف ہو جیسے **ومالي لا اعبد الذي فطرني واليه ترجعون** یہاں تقاضا تھا کہ **واليه ارجع** کہتے لیکن التفات کے لیے ترجعون کہا گیا۔

**نـوٹ:** علامہ سکاکیؒ مطلقا ایک طریقے کی طرف منتقل ہونے کو التفات کہتے ہیں سبقت تعبیر کی شرط نہیں لگاتے جمہور شرط لگاتے ہیں۔

**نـوٹ:** التفات کی چھ قسمیں ہیں (۱) غیبت سے خطاب (۲) غیبت سے تکلم (۳) خطاب سے غیبت (۴) خطاب سے تکلم (۵) تکلم سے غیبت (۶) تکلم سے خطاب۔

**نـوٹ:** التفات کے عمدہ اور پسندیدہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب کلام ایک اسلوب سے دوسرے اسلوب کی طرف منتقل ہوگا تو کلام میں نیا پن پیدا ہوگا جس کی وجہ سے سامع

کے اندر نشاط اور چستی پیدا ہوگی۔

(٦) خلاف مقتضیٰ ظاہر میں سے ایک صورت قلب ہے۔

**القلب وهو أن يجعل احد أجزاء الكلام مكان الاخر والا خر مكانه .**

**القلب:** کلام کے اجزاء میں سے ایک جز کو دوسرے جزء کی جگہ اور دوسرے جزء کو پہلے جزء کی جگہ رکھ دیا جائے جیسے **عرضتُ الحوض على الناقه** اصل میں **عرضتُ الناقة على الحوض** ہے۔

# احوال المسند

**ترک المسند**: مسند کے ترک کی وجوہات وہی ہیں جو مسند الیہ کے حذف کی ہیں مثلاً دو دلیلوں میں سے اقوی دلیل کی طرف عدول کا خیال ڈالنا، ظاہر پر اعتماد کرتے ہوئے عبث سے احتراز اظہار رنج ومحافظت وزن کی وجہ سے مقام کا تنگ ہونا وغیرہ، مصنفؒ نے حذف مسند کی کئی مثالیں ذکر کی ہیں اور ہر مثال میں کسی نہ کسی نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے لہذا کتاب میں ملاحظہ فرمائیں۔ طوالت کیوجہ سے ترک کیا جا رہا ہے۔

**نوٹ**: مصنفؒ نے مسند الیہ کے ذکر نہ کرنے کو حذف سے تعبیر کیا اور مسند کے ذکر نہ کرنے کو ترک سے تعبیر کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ مسند الیہ کلام میں اہم ورکن اعظم کی حیثیت رکھتا ہے جب اس کو حذف کیا گیا تو مطلب یہ ہے کہ مسند الیہ لایا گیا تھا مگر کسی وجہ سے چھوڑ دیا گیا برخلاف مسند کے وہ اس مرتبہ میں نہیں ہے یعنی رکن اعظم نہیں ہے لہذا جب اس کو نہیں ذکر کیا گیا تو مطلب ہوگا سرے سے چھوڑ ہی دیا گیا مصنف کا مقصود اس سے مسند الیہ کے رکن اعظم ہونے پر تنبیہ کرنا ہے۔

**ذکر المسند**: مسند کا ذکر انہیں نکتوں کی وجہ سے ہوتا ہے جو ذکر مسند الیہ میں گذر چکے ہیں یا اس لیے کیا جاتا ہے تاکہ مسند کا اسم یا فعل ہونا متعین ہو جائے اس لیے کہ اسم دوام کا فائدہ دے گا اور فعل حدوث وتجدد کا فائدہ دے گا۔

**افراد المسند**: مسند کی ایک حالت یہ ہے کہ مسند کو مفرد لایا جائے (جملہ نہ لایا جائے) اور مسند کو مفرد اس وقت لایا جائے گا جب کہ مقام مسند کے غیر سببی ہونے کا تقاضہ کرتا ہو اور تقوی حکم کا فائدہ نہ دیتا ہو۔

**نوٹ**: علامہ تفتازانیؒ نے مسند سببی کی تفسیر کی ہے کہ مسند سببی ایسے جملہ کا نام ہے جو مبتداء کے ساتھ ایسے عائد کے ذریعہ مربوط ہو جو عائد اس جملے میں مسند الیہ واقع نہ ہو۔

ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ سببی یہ ہے کہ مسند الیہ کی صفت بیان نہ کرے بلکہ اس کے متعلق کی صفت بیان کرے جیسے "زید قام ابوہ" اس مثال میں قام مسند الیہ کی صفت کو بیان نہیں کر رہا ہے بلکہ جو مسند الیہ کے متعلق ہے ابوہ اس کی صفت بیان کر رہا ہے تقوی حکم یہ ہے کہ مسند میں اسناد کا تکرار ہو جس کی وجہ سے کلام میں تاکید پیدا ہو جائے جیسے زید قام.

**نوٹ:** ماتن علیہ الرحمہ نے مسند سببی کی تعریف نہیں کی ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ علامہ سکاکیؒ کی ایجاد کردہ ہے اور انہوں نے اس کی تعریف ایسی کی ہے کہ جس کا سمجھنا انتہائی دشوار ہے اسی وجہ سے مصنف نے اس کی تعریف کو ترک کر دیا اور مثال پر اکتفاء کیا۔

**کون المسند فعلاً:** مسند کو فعل اس وقت لاتے ہیں جب کہ مسند کو تینوں زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ کے ساتھ مختصر طریقہ پر افادۂ تجدد کے ساتھ مقید کرنا مقصود ہو جیسے

**او کلما وردت عکاظ قبیلة**

**بعثوا الی عریفهم یتوسم**

یہاں یتوسم مسند ہے تجدد کا فائدہ حاصل کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔

**کون المسند اسماً:** مسند کو اسم اس وقت لاتے ہیں جب کہ اس کو کسی زمانہ کے ساتھ مقید کرنا مقصود نہ ہو اور نہ تجدد مقصود ہو۔

بلکہ دوام وثبوت کا فائدہ مقصود ہو جیسے

**لا یالف الدارهم المضروب صرتنا**

**لکن یمر علیها وهو منطلق**

یہاں منطلق اسم ہے اس کو دوام واستمرار کے لیے لایا گیا ہے۔

**تقیید الفعل:** فعل اور شبہ فعل کو چند چیزوں میں سے ایک چیز یا چند چیزوں کے ساتھ مقید کرتے ہیں زیادتی فائدہ کی وجہ سے وہ چند چیزیں یہ ہیں مفعول مطلق، مفعول بہ، مفعول فیہ، مفعول معہ حال تمیز، استثناء۔

**ترک التقیید** : کبھی مسند کی تقیید کو ترک کر دیتے ہیں زیادتی فائدہ سے کسی مانع کے موجود ہونے کی وجہ سے جیسے جب مدت، فرصت کے ختم ہونے کا اندیشہ ہو یا مقیدات کا علم نہ ہو وغیرہ وغیرہ۔

**تقیید الفعل بالشرط** : کبھی فعل یا شبہ فعل کو جملہ شرطیہ کے ساتھ مقید کیا جاتا ہے اور یہ تقیید ان نکات اور حالات کی وجہ سے ہوتی ہے جو فعل یا شبہ فعل کو جملہ شرطیہ کے ساتھ مقید کرنے کا تقاضہ کرتے ہیں۔

**نوٹ**: مصنفؒ نے فرمایا کہ ان نکات کا علم اس وقت ہوسکتا ہے جب کہ حروف شرط اور اسمائے شرط کے درمیان کا فرق علماء نحو کی بیان کردہ قواعد تفصیل کے ساتھ معلوم ہو لہذا یہاں فائدہ کے پیش نظر مختصراً فرق ذیل میں مذکور ہے،

إنْ ، إذا، لو، مصنفؒ فرماتے ہیں کہ ادوات شرط اور اسمائے کی تفصیل اگرچہ نحو میں موجود ہے مگر ان، اذا، لو۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

ان تینوں کا ذکر یہاں بھی ضروری ہے کیوں کہ ان کی کچھ بحثیں ایسی ہیں جنہیں علماء نحو نے ذکر نہیں کیا ہے لیکن علامہ تفتازانی نے بہت تفصیل سے ان کو بیان کیا ہے **فلیطالع ثمه**.

**إن ، إذا، لو، میں فرق** : جاننا چاہیے کہ ان اور اذا دونوں شرط فی الاستقبال کے لیے استعمال ہوتے ہیں مگر ''اِن'' وقوع شرط کے شک کے مقام میں استعمال ہوتا ہے جبکہ اذا وقوع شرط کے جزم و یقین کے وقوع پر استعمال ہوتا ہے اور لو شرط فی الماضی کے لیے استعمال ہوتا ہے یعنی جزاء کے مضمون کے حصول کو زمانہ ماضی میں شرط کے مضمون کے حصول پر معلق کیا جاتا ہے اگر شرط فی الاستقبال ہے تو زمانہ مستقبل میں حصول جزاء معلق ہوتا ہے۔

**نوٹ**: کلمہ ان کا اصل استعمال تو وہی ہے جو ابھی گذرا مگر کبھی جزم و یقین کی جگہ میں بھی مجازاً استعمال ہوتا ہے اور ایسا کب ہوتا ہے تو مصنف نے اس کی کئی صورتیں ذکر کی ہیں جن میں سے ایک مندرجہ ذیل ہے۔

(۱) **تغلیب** : غیر متصف بالشرط کو متصف بالشرط پر غلبہ دے کر کلمہ ''ان'' استعمال

کرلیا جاتا ہے حالانکہ متصف بالشرط کے اعتبار سے یہاں لفظ اذا استعمال ہونا چاہیے لیکن کبھی کبھی کلمہ ان غیر متصف بالشرط کو متصف بالشرط پر غلبہ دینے کے لیے مقام جزم میں استعمال کرلیتے ہیں۔

**نوٹ:** تغلیب کہتے ہیں دو معلوم لفظوں میں سے ایک لفظ کو دوسرے لفظ پر اطلاق میں ترجیح دینا۔

**نوٹ:** کلمہ إن ، اذا کا استعمال فعل مستقبل میں اصل ہے لیکن یہ فعل ماضی میں بھی استعمال ہوتے ہیں اور یہ اسی وقت ہوتا ہے جب کہ غیر حاصل شئی کو حاصل شدہ شئی کی جگہ میں ظاہر کرنا مقصود ہو اور ابراز کی (غیر حاصل کو حاصل کی جگہ ظاہر کرنے کی) مصنفؒ نے کئی صورتیں ذکر کی ہیں، جن میں سے ایک یہاں مذکور ہے۔

**تعریض:** فعل کی نسبت ایک شخص کی جانب کی جائے اور مراد اس سے اس کے علاوہ کسی اور کو لیا جائے نیز وہاں کوئی ایسا قرینہ بھی ہو جس سے پتہ چلتا ہو کہ جس کی طرف نسبت کی گئی ہے وہ مراد نہیں ہے جیسے ولقد اوحی إلیک والی الذین من قبلک لئن أشرکت لیحبطن عملک دیکھئے یہاں "إن" أشرکت فعل ماضی پر داخل ہے اور مراد اس سے امتی ہیں نہ کہ حضورؐ۔

**تنکیر المسند:** مسند کو نکرہ اس وقت لاتے ہیں جب کہ متکلم کا مقصود سامع کو اس بات کا فائدہ پہنچانا ہو کہ مسند مسند الیہ میں نہ منحصر ہے اور نہ مسند متعین ہے جیسے زید کاتب.

**نوٹ:** مسند کو اس مقصد کے علاوہ اور بھی دوسرے سے مقاصد کے لیے نکرہ لاتے ہیں جیسے عظمت شان، تحقیر وغیرہ کے لیے۔

**تخصیص المسند:** مسند کی ایک حالت اس میں تخصیص پیدا کرنا ہے اضافت یا وصف کے ذریعہ تاکہ مسند کے ذکر کا فائدہ اتم واکمل ہو سکے جیسے زید غلام رجل زید رجل عالم اس لیے کہ خصوصیات کے بڑھنے سے فائدہ مکمل ہوتا ہے۔

**ترک تخصیص المسند** : اضافت یا وصف کے ساتھ تخصیص کو ترک کر دیتے ہیں کسی ایسے مانع کی وجہ سے کہ اس مانع کے ہوتے ہوئے تخصیص مفید نہ ہو۔

**تعریف المسند** : مسند کو معرفہ اس وقت لایا جاتا ہے جب کہ متکلم سامع کو ایک امر معلوم پر دوسرے امر معلوم کے ساتھ حکم یا لازم حکم کا فائدہ پہنچانے کا ارادہ کرے۔

**نوٹ**: امر معلوم سے مراد معرفہ کے اقسام ہیں (علمیت، اضمار، اشارہ، موصول وغیرہ)

**کون المسند جملة**: مسند کی ایک حالت مسند کا جملہ ہونا ہے مسند کو جملہ اس وقت لاتے ہیں جب کہ تقوی حکم مقصود نہ ہو یا مسند سببی ہو اور یہ جملہ اسمیہ بھی ہو سکتا فعلیہ اور ظرفیہ بھی۔

**تاخیر المسند** : کبھی مسند کو موخر ذکر کرتے ہیں کیوں کہ مسند الیہ کا ذکر اس وقت اہم ہوتا ہے اسی وجہ سے مسند الیہ کو مقدم اور مسند کو موخر ذکر کرتے ہیں۔

**تقدیم المسند**: کبھی مسند کو مسند الیہ پر مقدم کر دیتے ہیں تا کہ مسند الیہ پر منحصر ہو سکے جیسے تمیمی أنا.

**نوٹ**: اس کے علاوہ اور بھی مقاصد ہیں جن کی وجہ سے مسند کو مقدم کیا جاتا ہے جو کتاب میں بالتفصیل مذکور ہے۔

# احوال متعلقات الفعل

مصنفؒ نے اس باب میں تین باتوں کو ذکر کیا ہے (۱) حذف مفعول کے نکات (۲) مفعول کو فعل پر مقدم کرنے کے نکات (۳) فعل کے بعض معمولات کو بعض پر مقدم کرنے کے نکات۔

**حذف المفعول به:** حذف مفعول بہ کے مصنفؒ نے چند نکات ذکر کئے ہیں جن میں سے دو یہاں پر ذکر کئے جاتے ہیں۔

(۱) ابتدائے کلام میں جب غیر کے مراد لینے کا وہم پیدا ہو جائے تو مخاطب کے اس وہم کو دور کرنے کے لیے معمول بہ کو حذف کر دیا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ متکلم نے مراد کا ارادہ کیا ہے جیسے

**وکم ذدت عنی من تحامل حادث ، وسورة ایام حرزن الی العظم**

یہاں **اللحم** مفعول بہ محذوف ہے۔

(۲) اختصار کے ساتھ تعمیم کرنے کے لیے مفعول بہ کو حذف کر دیا جاتا ہے جیسے **وقد کان منک یولم** یہاں "**کل احد**" مفعول محذوف ہے۔

**تقدیم المفعول:** متکلم کے لیے مفعول بہ کو اس وقت مقدم کرنا ضروری ہے جب کہ مخاطب سے معمول کی تعیین میں غلطی ہو جائے جیسے "**زیدا عرفت**".

**تقدیم بعض معمولات الفعل علی بعض:**

فعل کے بعض معمولات کو بعض پر مقدم کرتے ہیں اس لیے کہ اس بعض کا مقدم کرنا اصل ہوتا ہے اور کوئی مقتضی عدول بھی موجود نہیں ہوتا جیسے "**ضرب زید عمرا**" میں زید مقدم اور عمر موخر ہے۔

**نوٹ:** اس کے علاوہ اور بھی نکات ہیں جنہیں مصنفؒ نے بیان فرمایا ہے **فلیطالع ثمه**.

# القصر

**القصر فی اللغة**: الحبس والمنع (روکنا)

**القصر فی الاصطلاح**: تخصیص شئی بشئی بطریق مخصوص.

ایک شئی کو دوسری شئی کے ساتھ مخصوص طریقہ پر خاص کرنا

قصر کی دو قسمیں ہیں (۱) قصر حقیقی (۲) قصر غیر حقیقی یا اضافی

**قصر حقیقی**: هوماکان الاختصاص فیه بحسب الواقع والحقیقة.

ایک شئی (مقصور) کو دوسری شئی (مقصور علیہ) کے ساتھ حقیقت اور نفس الامر کے اعتبار سے اس طرح خاص کر دینا کہ مقصور مقصور علیہ کے علاوہ کی طرف بالکل متجاوز نہ ہو جیسے ما خاتم الانبیاء والرسل الا محمد اس میں ختم رسالت ونبوت محمدؐ پر منحصر ہے۔

**قصر غیر حقیقی**: هو ماکان الا ختصاص فیه بحسب الاضافة الی شئی معین.

ایک شئی (مقصور) کو دوسری شئی (مقصور علیہ) کے ساتھ ایک متعینہ شئی کی طرف نسبت کرتے ہوئے منحصر کرنا کہ مقصور، مقصور علیہ سے اس معینہ شئی کی طرف متجاوز نہیں ہوگا اگر چہ اس کے علاوہ کی طرف متجاوز ہوسکتا ہے جیسے مازید الا قائم.

پھر قصر حقیقی اور غیر حقیقی میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں (۱) قصر الموصوف علی الصفت حقیقی (۲) قصر الصفت علی الموصوف حقیقی (۳) قصر الموصوف علی الصفت غیر حقیقی (۴) قصر الصفت علی الموصوف غیر حقیقی۔

**قصر موصوف علی الصفت**: قصر موصوف علی الصفت ایسا قصر ہے کہ موصوف اس صفت سے جس پر موصوف کو منحصر کیا گیا ہے دوسری صفت کی طرف متجاوز نہ

ہوالبتہ یہ صفت دوسرے موصوف میں بھی پائی جاسکتی ہے جیسے ما زید الا قائم۔

**قصر صفت علی الموصوف**: اس قصر کو کہتے ہیں کہ صفت اس موصوف سے جس پر صفت منحصر ہے دوسرے موصوف کی طرف متجاوز نہ ہوالبتہ اس موصوف کے لیے دوسری صفات بھی ہوسکتی ہیں جیسے ماقائم الا زید .

## مخاطب کے حال کے اعتبار سے قصر غیر حقیقی کی تین قسمیں ہیں:

(۱) **قصر افراد** : هو اذا اعتقد المخاطب الشركة .

متکلم موصوف کو ایک صفت پر منحصر کردے جب کہ مخاطب موصوف کے بارے میں دو مشترک صفات کا اعتقاد رکھتا ہو جیسے ما زید الا کاتب جب کہ مخاطب کا اعتقاد زید کے بارے میں کتابت اور شاعریت دونوں کا ہو۔

(۲) **قصر قلب**: هو اذا اعتقدا المخاطب غير الشركة .

متکلم موصوف کو کسی ایک صفت پر ہی منحصر کرے لیکن مخاطب موصوف کے بارے میں اس صفت کے علاوہ کا اعتقاد رکھتا ہو جس کے ساتھ موصوف متصف ہے جیسے ما زید الا قائم جب کہ مخاطب موصوف کے جلوس کا اعتقاد رکھتا ہو۔

(۳) **قصر تعیین** :هو اذا اعتقد المخاطب واحدا غير معين .

متکلم موصوف کو کسی ایک صفت پر منحصر کرے جب کہ مخاطب موصوف کے بارے میں دو صفت کے درمیان متردد ہو جیسے ما زید الا قائم اس وقت ہے جب کہ مخاطب موصوف کے جلوس و قیام کے بارے میں متردد ہو۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

قصر کے متعدد طریقے ہیں جن میں چار مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) قصر کبھی حرف عطف لا، بل، لکن، کے ذریعہ ہوتا ہے۔

(۲) اور کبھی حرف نفی لیس، ما، لا، اور استثناء (الّا اور اس کے اخوات) کے ذریعہ ہوتا ہے

(۳) قصر کبھی ''انما'' کے ساتھ ہوتا ہے۔

(۴) جبکہ کبھی تقدیم ما حقہ التاخیر کی وجہ سے بھی ہوتا ہے۔

# الانشاء

**الانشاء** : هو في اللغة الإبتداع .وفي الإصطلاح يطلق على نفس الكلام الذي ليس لنسبته خارج تطابقه او لا تطابقه .

انشاء لغت میں ابتداع واختراع یعنی وجود بخشنا، پیدا کرنے کو کہتے ہیں جب کہ اصطلاح میں اس کلام کو کہتے ہیں جس کی ایسی نسبت خارجیہ نہ ہو جس سے کلام کے مطابقت وعدم مطابقت کا ارادہ کیا جا سکے پھر انشاء کی دو قسمیں ہیں (۱) انشاء طلبی (۲) انشاء غیر طلبی دوسری قسم سے اس فن میں بحث نہیں ہوتی ہے انشاء طلبی کی پانچ قسمیں ہیں (۱) تمنی (۲) استفهام (۳) امر (۴) نہی (۵) نداء

**تمنی**: هو طلب حصول الشئی علی سبیل المحبة نحو لیت الشباب یعود یوماً.

تمنی محبت سے کسی چیز کو طلب کرنے کا نام ہے جیسے کاش ایک دن کے لیے جوانی لوٹ آتی۔

**استفهام** : هو طلب حصول الشئی في الذهن نحو هل زید قائم ؟

استفہام کسی شئی کے حصول فی الذہن کا نام ہے جیسے کیا زید کھڑا ہے؟۔

**نوٹ**: جو الفاظ استفہام کے لیے وضع کئے گئے ہیں وہ یہ ہے ہیں ہمزہ ، هل ، ما، من ، ایّ ، کیف ، این ، انّی، متی، ایّان، پھر ہر ایک کا استعمال بالتفصیل کتاب میں مذکور ہے۔

**امر** : هو طلب الفعل غیر کفٍّ علی وجه الاستعلاء نحو اضرب.

امر نام ہے فعل کو بطریق استعلاء طلب کرنے کا بشرطیکہ یہ طلب بصورت کف فعل نہ ہو جیسے إضرب۔

**نوٹ:** صیغہ امر طلب کے علاوہ مجاز اُدوسرے معانی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے اباحت، تہدید وغیرہ کے لیے۔

**نہی:** **هو طلب الكف عن الفعل على طريق الاستعلاء .**

اپنے آپ کو بڑا سمجھ کر فعل سے رکنے کا مطالبہ کرنا جیسے لاتضرب۔

**نوٹ:** نہی کا صیغہ طلب کف فعل کے علاوہ مجاز اُدوسرے معانی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے تہدید وغیرہ کے لیے۔

**نداء:** **وهو طلب الاقبال بحرف نائب مناب ادعو.**

نداء کہتے ہیں کہ مخاطب کی توجہ طلب کی جائے ایسے حرف کے ذریعہ جو ادعوا کے قائم مقام ہو جیسے **یازید .**

**نوٹ:** حروف نداء پانچ ہیں (۱) یا (۲) أیا (۳) هیا (۴) ہمزہ (۵) أی

حروف نداء طلب اقبال کے علاوہ بھی مجاز اُستعمال ہوتا ہے جیسے مخاطب کو ابھارنے اور آمادہ کرنے کے لیے۔

# الفصل والوصل

**الوصل**: عبارة عن عطف بعض الجمل علی البعض.
وصل نام ہے بعض جملوں کے بعض پر عطف کرنے کا۔

**الفصل**: عبارة عن ترک عطف بعض الجمل علی البعض
فصل بعض جملوں کا بعض پر ترک عطف کا نام ہے۔

**نوٹ**: مذکورہ تعریف مطلق فصل، وصل کی نہیں ہے بلکہ اس فصل وصل کی ہے جو جملے کے درمیان میں واقع ہوتے ہیں۔

جن حالتوں میں فصل واجب ہے وہ چار ہیں:
(۱) کمال انقطاع (۲) کمال اتصال (۳) شبہ کمال انقطاع (۴) شبہ کمال اتصال۔

**کمال انقطاع**: اس کی تین صورتیں ہیں (۱) دو جملوں میں اختلاف واقع ہو خبر وانشاء لفظاً ومعنیً دونوں اعتبار سے جیسے **قال زائد هم ارسوا نزاولها، وحتفُ كل امرى يجرى بمقدار**.

دیکھئے مذکورہ مثال میں نزاولها کا عطف ارسوا پر نہیں کیا کیوں کہ ارسوا صیغہ امر ہونے کی وجہ سے لفظاً معنی انشاء ہے نزاولها لفظاً ومعنیً خبر ہے۔

(۲) دو جملے مختلف ہوں خبر وانشاء کے اعتبار سے صرف معنیً جیسے "**مات فلان رحمه الله**" دیکھئے مذکورہ مثال میں پہلا جملہ "**مات فلان**" معنیً خبر ہے اور **رحمه الله** دعاء پر مشتمل ہونے کی وجہ سے معنی انشاء ہے (۳) دو جملوں کے درمیان مناسبت نہ ہو جیسے **عَلِيٌّ كاتب الحمام طائر** دیکھئے مذکورہ مثال میں کوئی مناسبت نہیں ہے جو کہ ظاہر ہے۔

**کمال اتصال**: اس کی بھی تین صورتیں ہیں (۱) دو جملوں میں دوسرا پہلے کے لئے تاکید واقع ہو خواہ تاکید معنوی ہو یا لفظی جیسے **فمهل الكافرين أمهلهم رويدا**

(۲) دو جملوں کے میں سے دوسرا پہلے سے بدل واقع ہو جیسے **امدکم بما تعملو ن، أمدکم بأنعام و بنین** (۳) دو جملوں کے میں سے دوسرا پہلے کیلئے بیان واقع ہو جیسے **فوسوس إلیه الشیطان قال یاٰدم هل أدلک علی شجر ة الخلد .**

شبہ کمال انقطاع۔ دو جملوں کے بعد کوئی ایسا جملہ آجائے جس کا عطف کرنا ان دونوں میں سے ایک پر صحیح ہو مناسبت کی وجہ سے لیکن دوسرے پر صحیح نہ ہو تو عطف کو ترک کر دیا جائے گا جیسے **تظن سلمی أننی ابغی بها بدلا أراها فی الضلال تهیم**، مذکورہ مثال میں اگر "أراها" کا عطف کرتے تو "أبغی" پر عطف ہونے کا وہم ہو سکتا تھا ،حالانکہ عطف تظن پر ہے۔

**شبہ کمال اتصال** : دو جملوں کا اس طرح ہونا کہ دوسرا جملہ جواب واقع ہو اس سوال کا جو پہلے جملہ سے پیدا ہوا ہے، جیسے **زعم العو اذل إننی فی غمرة ، صدقوا ولکن غمرتی لا تنجلی** ،مثال مذکور میں پہلے مصرع سے سچے یا جھوٹے ہو نے کا سوال پیدا ہوا دوسرے مصرع میں اس کا جواب دیا گیا کہ وہ سچے ہیں۔

جن حالتوں میں وصل واجب ہے وہ دو ہیں:

(۱) **کمال انقطاع مع الایہام** : وہ یہ ہے کہ دو جملوں کے درمیان عطف نہ کرنے سے خلاف مقصود کا وہم لازم آتا ہو جیسے کسی نے پوچھا کہ کیا علی بیماری سے شفایاب ہو گیا تو جواب میں کہا گیا کہ **لا و شفاہ اللہ**، اگر واو کو حذف کر دیا جائے تو خلاف مقصود کا وہم پیدا ہو جائیگا اور مطلب یہ ہوگا کہ اللہ اسے شفا نہ دے۔

(۲) **توسط بین الکمالین** : دو جملے لفظاً و معنیً خبر ہونے میں متفق ہوں یا لفظاً و معنیً انشاء ہونے میں متفق ہوں یا صرف معنیً انشاء ہوں اور جملوں کے درمیان جامع موجود ہو جیسے **یخادعو ن اللہ وهو خا دعهم** اور **کلو واشر بو ا ولا تسر فو ا ، وإذأخذنا میثاق بنی إسرائیل ،لاتعبدالیٰ قوله وقولو ا للنا س حسنا .**

**نوٹ** . پہلی مثال صرف خبر میں متفق ہونے کی ہے، اور دوسری انشاء میں، تیسری

مثال صرف معنیٰ انشاء میں متفق ہونے کی ہے۔

**جامع** : وہ وصف کہلاتا ہے جو دو چیزوں کے درمیان اجتماع کا تقاضہ کرتا ہو پھر جامع کی تین قسمیں ہیں (۱) عقلی (۲) وہمی (۳) خیالی۔

**جامع عقلی** : وہ امر ہے جس کی وجہ سے عقل قوت مفکرہ میں دو چیزوں کے جمع ہونے کا تقاضہ کرتی ہے

**جامع وہمی** : وہ امر ہے جس کی وجہ سے وہم میں یہ بات آتی ہے کہ دو چیزیں قوت مفکرہ میں جمع ہیں۔

**جامع خیالی**: وہ امر ہے جس کی وجہ سے خیال قوت مفکرہ میں دو چیزوں کے اجتماع کا تقاضہ کرتا ہے۔

**تذنیب** : ایک شی کو دوسری شی کے پیچھے کر دینا۔

**نوٹ** : تذنیب کا عنوان لا کر مصنفؒ جملہ حالیہ کو بیان کیا ہے۔

**حال کی دو قسمیں ہیں** :(۱) حال منتقلہ (۲) حال مؤکدہ۔

(۱) **حال منتقلہ** : وہ حال ہے جو اپنے ذوالحال کے لئے لازم نہ ہو بلکہ جدا بھی ہوسکتا ہو جیسے جاء نی زید راکبا مثال مذکور میں "راکبا" حال واقع ہے اور " زید "ذو الحال اور رکوب، زید سے جدا ہوسکتا ہے۔

(۲) حال مؤکدہ : وہ حال ہے جو مضمون جملہ کی تاکید وتقریر کرتا ہو جیسے هذا ابو ک عطو فا مثال مذکور میں "عطوفا " حال واقع ہے' 'ابوک "ذوالحال اور مہربانی باپ سے جدا نہیں ہوسکتی۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

# ایجاز واطناب ومساوات

مراد کو اداء کرنے چھ طریقے ہیں جن میں سے تین طریقہ مقبول اور تین غیر مقبول ہیں تین مقبول یہ ہیں۔

(۱) وهی تأدية المعنى المراد بعبارة مساوية له.

مساوات یہ ہے کہ معنی مرادی کو اداء کرنا ہے ایسی عبارت کے ذریعہ جو اس معنی مرادی کے مساوی ہو جیسے ولا يحيق المكر السئ إلا بأهله .

(۲) **ایجاز** : هو تادية المعنى المراد بعبارة ناقصة مع وفائها بالغرض.

ایجاز یہ ہے کہ معنی مرادی کو اداء کرنا معنی سے کم عبارت کے ساتھ بشرطیکہ مراد پوری ہو جاتی ہو جیسے قفا نبک حبیب ومنزل.

**ایجاز کی دو قسمیں ہیں:** (۱) ایجاز قصر (۲) ایجاز حذف

(۱) **ایجاز قصر** :وهو ان يكون يتضمن العبارة القصيرة معانی كثيرة.

ایجاز قصر یہ ہے کہ عبارت مختصر ہو اور معانی زیادہ ہوں جیسے ولكم في القصاص حيوة.

(۲) **ایجاز حذف**: وهو ان يكون بحذف كلمة او جملة او اكثر مع قرينة تعين المحذوف .

ایجاز حذف یہ ہے کہ کسی شئی کے حذف سے حاصل ہوتا ہے لیکن محذوف کے تعین پر قرینہ کا پایا جاتا ضروری ہے پھر محذوف کبھی تو کلمہ ہوگا کبھی جملہ ہوگا اور کبھی اس سے بھی زیادہ عبارت، سب کی مثالیں کتاب میں موجود ہیں یہاں صرف کلمہ کے محذوف ہونے کی

مثال ذکر کی جاتی ہے جیسے **فقلت یمین اللہ ابرح قاعداً ولو قطعوا راسی لدیک وواصالی** مثال مذکورہ میں "لا" ابرح سے پہلے محذوف ہے۔

(۳) **اطناب : وهو تادية المعنى بعبارة زائدة عنه مع الفائدة .**

معنی مرادی کو ادا کرنا ہے زائد عبارت کے ساتھ زیادتی عبارت کے فائدہ کے ساتھ ساتھ جیسے **تنزل الملكة والروح فيها .**

اطناب: ۹؍امور میں پایا جاتا ہے جن میں سے آٹھ کو مصنفؒ نے بصراحت ذکر کیا ہے اور ایک کو بغیر ذلک کہہ کر ذکر کیا ہے۔

(۱) **ایضاح بعد الابہام**: یعنی ابہام کی وضاحت کرنا جیسے **امدکم بما تعملون امدکم بانعام وبنين.**

**نوٹ**: ایضاح بعد الابہام کی قبیل سے توشیع بھی ہے جس کے لغوی معنی دھنی ہوئی روئی کو لحاف میں بھرنا ہے اصطلاح میں توشیع نام ہے کلام کے آخر میں ایک تثنیہ لائی جائے جس کی تفسیر دو اسموں سے کی جائے جن میں دوسرا پہلے پر معطوف ہو، جیسے محسن انسانیت کا فرمان: **یشیب ابن آدم ویشبت فیه الخصلتان الحرص وطول الامل.**

(۲) عام کے بعد خاص کو ذکر کرنا جیسے **حافظو علی الصلوت والصلوة الوسطی .**

(۳) کسی نکتہ کی وجہ سے تکرار کے ذریعہ جیسے **کلا سوف تعلمون ثم کلا سوف تعلمون**

(۴) **ایغال**: کے ذریعہ جیسے حضرت حسان کا شعر اپنے بھائی کے مرثیہ میں **وان صخرا لتأتمّ الهداة به كانه علم وفى راسه نار.**

نوٹ: ایغال: اوغل فی البلاد سے ماخود ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب آدمی تیز رفتاری کے ساتھ چلنے لگے اصطلاح میں ایغال کہتے ہیں شعر کو ایسے لفظ پر ختم کرنا جو کسی ایسے نکتہ کا فائدہ دے جس نکتہ کے بغیر بھی اصل معنی پورے ہو جائیں۔

(۵) اطناب کبھی تذییل کے ذریعہ ہوتا ہے تذییل کا لغوی معنی ایک شئی کو دوسری شئی کے ذیل میں کرنا اصطلاح میں ایک جملہ کے بعد ایسا جملہ لانا جو پہلے جملہ کے معنی پر مشتمل ہو پہلے جملہ کی تاکید کے لیے پھر یہ تذییل دوصورتوں میں پائی جاتی ہے۔

(۱) محاورہ کے طریقہ پر اس کے معنی مستقل ہونے کی وجہ سے اور اپنے ماقبل سے مستغنی ہونے کی وجہ سے جیسے جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقاً۔

(۱) محاورہ کے طریقہ پر نہ ہو اپنے ماقبل سے مستغنی نہ ہونے کی وجہ سے جیسے ذلک جزيناهم بما كفروا وهل نجزى الاالكفور۔

(۹) تکمیل کے ذریعہ اس کا دوسرا نام احتراس بھی ہے جس کے لغوی معنی حفاظت کرنا ہے، اصطلاح میں کسی ایسے کلام میں جس سے خلافِ مقصود کا وہم ہو ایسا لفظ لانا جو اس وہم کو دور کردے جیسے فسقى ديارک غير مفسدها وهو صوب الربيع وديمة تهمى۔

**نوٹ**: تکمیل نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اطناب کی یہ صورت خلاف مقصود کے وہم کو دور کرنے کے معنی کو مکمل کردیتی ہے۔

(۷) **تتمیم کے ذریعہ**: تتمیم یہ ہے کہ ایسے کلام میں جس میں خلاف مقصود کا وہم نہ ہو کسی نکتہ کی وجہ سے کوئی فضلہ لایا جائے جیسے ویطعمون الطعام علی حبہ۔

**اعتراض**: (جملہ معترضہ لانا) کے ذریعہ وہ یہ ہے کہ کہ درمیان کلام یا دو معنی متصل کلاموں کے درمیان ایک ایسا جملہ لایا جائے یا جملہ سے زائد کو ذکر کیا جائے جس کے لیے محل اعراب نہ ہو جیسے ويجعلون لله البنات سبحانه ولهم مايشتهون۔

(۹) ان تمام کے علاوہ بھی اطناب پایا جاتا جیسے الذين يحملون العرش ومن حوله يسبحون بحمدر بهم ويومنون به۔

مراد کو اداء کرنے کے تین غیر مقبول طریقے۔

**اخلال**: وهو تادية المعنى بعبارة ناقصة عنه مع غيرو فائها۔

معنی مرادی کو اداء کرنا اس کے کم عبارت میں اور مراد بھی پوری نہ ہوتی ہو جیسے العیش خیر فی ظلل النوک ممن عاش کدا.

(۲) حشو: وهو تادية المعنى بعبارة زائدة عنه مع عدم الزائد والزيادة متعينة.

معنی مرادی کو ایسی زائد عبارت سے ادا کرنا جو زائد بے فائدہ اور متعین ہے واعلم علم اليوم والامس قبله.

**تطويل**: وهو تادية المعنى بعبارة زائدة عنه مع عدم الفائدة لزيادة غير متعينه.

وہ معنی مرادی کو ادا کرنا ایسی عبارت کے ذریعہ جو بے فائدہ اور غیر متعین ہو جیسے الفی قولها كذبا ومیناً.

ربنا تقبل منا انک انت السميع العليم وتب علينا انک أنت التواب الرحيم

محمد طلحہ بن یعقوب المظاہری
متعلم دار العلوم دیوبند
۲/ ذی قعدہ ۱۴۳۱ھ

جو کتاب نیٹ پر موجود نہیں ہیں
یا کوئی کتاب آپکو چاہئے جو نیٹ پر
موجود نہ ہو تو آپ ہمیں میسیج کریں

NEW MADARSA

ٹیلیگرام چینل
@New Madarsa
https://t.me/NewMadarsa

یا ٹیلیگرام گروپ
@New Madarsa Group
https://t.me/NewMadarsaGroup

Pinterest

Follow All Social Media Network:

NEW MADARSA

Blogger

Telegram

Instagram

facebook

काम देख कर follow करें

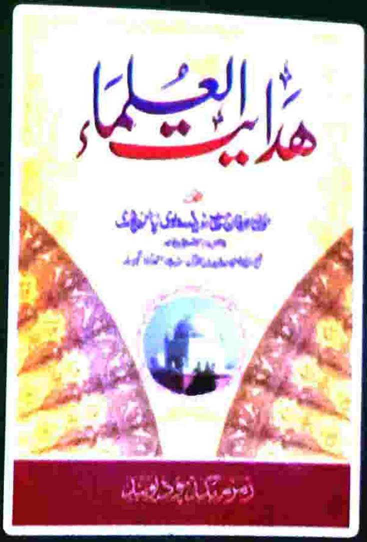


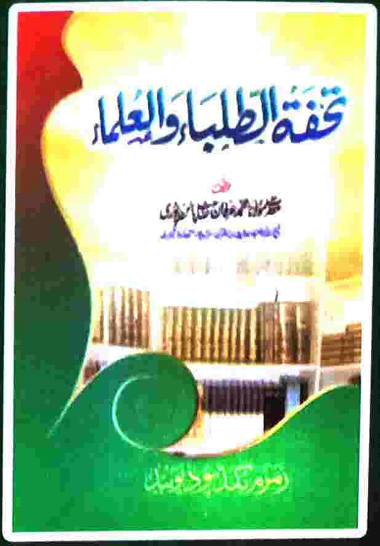


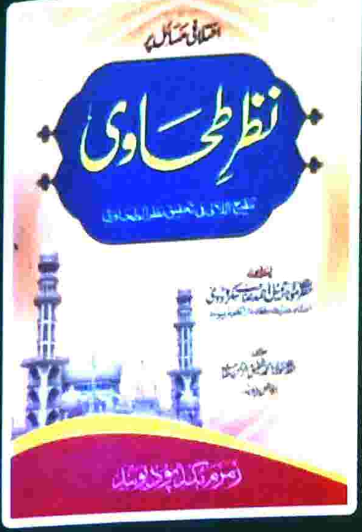


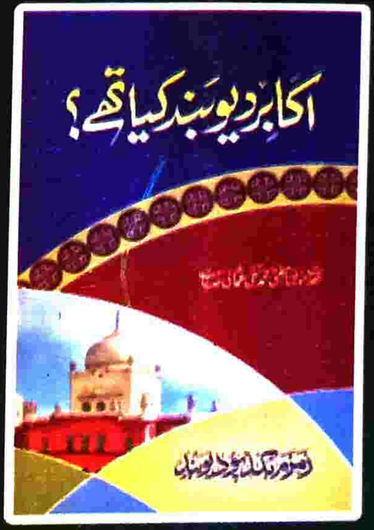


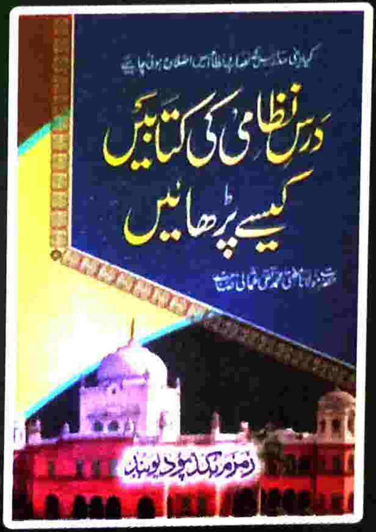


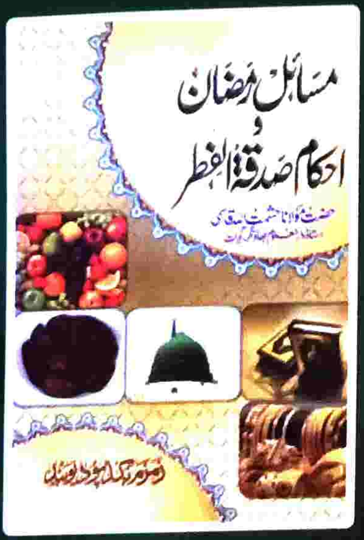


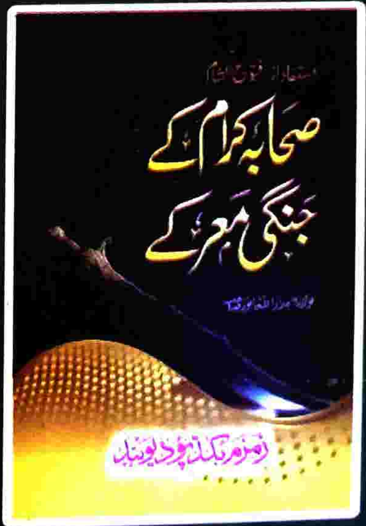


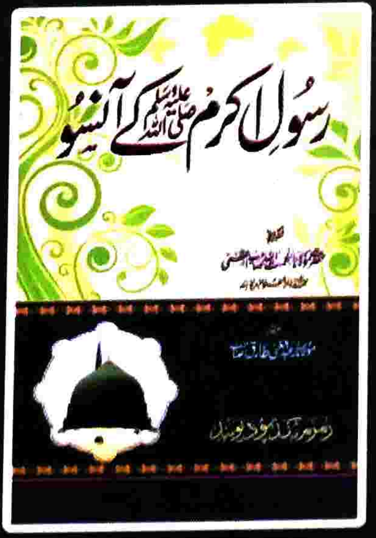


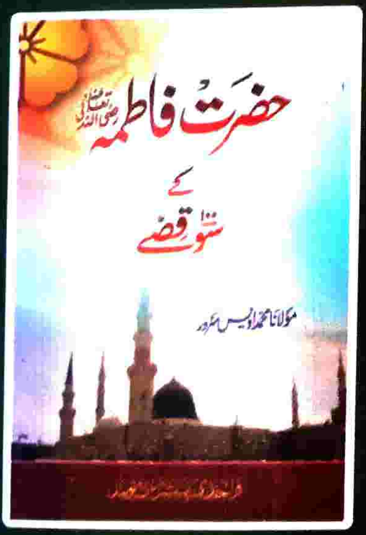


Noor Graphics 9045909066

# ZAMZAM BOOK DEPOT

DEOBAND-247554 (U.P)